An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین

लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदब का मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:99 ماہ مارچ 2021ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL
80 STRATHDONE DRIVE LONDON SW17 0PW
(M) 0044-7886-304637, 0044-2089449385 www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

قندیل شعر و سخن انٹرنیشنل مشاعروں میں صدارت کرنے والے معزز ادیب و شعراء

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- Member National Landlord Association
- Member Deposit Portection Schemes
- Member The Property Ombudsman Scheme
- Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔ امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔ ''قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ میگزین کے مندرجات پر آپ کے کمنٹ یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ ''کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔ شکریہ

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated) Chief Editor.

فہرست مضامین

قندیل ادب کا 99 واں شمارہ	اداریہ	4
''رزم گاہِ شعور'' کی مصنفہ: طاہرہ رباب	ڈاکٹر منور احمد کنڈے	4
غزلیات: فرزانہ فرحت، اشرف کمال، شکیل قمر، افتخار راغب، ڈاکٹر طارق انور باجوہ، آفتاب شاہ، ڈاکٹر محمد عامر خان، ساجد محمود رانا، اطہر حفیظ فراز، ندیم ناجد، م اقاہر، میاں وقار الاسلام، عاطف جاوید عاطف، نواب ناظم، ڈاکٹر ظفر جاذب، عاصی صحرائی، بشریٰ سعید عاطف، عالیہ جبیں عالی، مبارک صدیقی، سید امجد شاہ جرمنی، عبدالحمید عدم، اعتبار ساجد، امجد مرزا امجد، طفیل عامر، عبدالحمید حمیدی کنیڈا، ایس ایم تقی حسین۔		
عاصمہ جہانگیر کون تھی	ادارہ	15
رشحات ربانی	نعیم اختر ربانی	16
ایڈمرل منصور الحق پاکستانی نیوی کا سربراہ...	عبدالقدیر کوکب	18
رُت بسنتی آ گئی	نیاز خیر اجپوری	20
قدرت اللہ شہاب کی وفات سے ایک دن پہلے..	عبدالحمید حمیدی کینیڈا	21
سوزِ حیات کا شاعر	تمثیلہ لطیف	22
پاگل قوم	ثقلین مبارک	23
اپنے اسکول سے نکالنے کے بعد استانی 25 سال	عبدالقدیر کوکب	24
واصف علی واصف ایک صوفی	مولانا منور احمد خورشید	24
فکر جدید	آفتاب شاہ	26
تنگ جوتے کی تکلیف	طاہر ملک لاہور	27
جستہ جستہ	عطاء القدیر طاہر	29
عروسِ اُردو کیلئے رومن فراک	ابونثر	30
رُوح افزا شربت کی تاریخ	رجل خوشاب	31
مسلم حکمران اور پروپیگنڈا	رجل خوشاب	32
ہمارا معاشرہ	عاصی صحرائی	34
پرنس ہیری کے حالات	ادارہ	35
انصاف کے تقاضے	رجل خوشاب	36
افسانہ۔ وہ کون تھا؟	امجد مرزا امجد	37
قرآن جواہرات کی تھیلی ہے	عطاء القادر طاہر	39
شوگر کے مریضوں کیلئے احتیاطی تدابیر	شہزادہ قمر الدین مبشر	41
آگہی کے جگنو	مبشرہ ناز	41

اعلان – ماہانہ قندیل ادب انٹرنیشنل میگزین کا سالانہ چندہ 25 برطانوی پونڈ ہے۔ اگر کسی کو گھر پر بذریعہ ڈاک ارسال کرنا پڑے تو 35 پونڈ سالانہ ہے۔ نیچے دیئے گئے اکاؤنٹ میں سالانہ چندہ کی ادائیگی فرمائیں۔ جزاکم اللہ

رانا عبدالرزاق خان لندن

HSBC London UK, A/C 04726979

Sort Code 400500

(M) 0044-7886-304637, 02089449385

طاہرہ رباب۔ ''رزم گاہِ شعور'' کی مصنفہ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے

روحانی و دینی سخنوری ہر دور کی ضرورت رہی ہے جو قاری کو راہِ عمل اور اسوۂ رسولِ اکرم ﷺ پر گامزن ہونے کا درس دیتی ہے۔ اس طرح سخنور کے لئے آخرت سنوارنے کا حتمی باعث بھی بنتی ہے۔ خدائے واحد کی حمد و ثناء، آقائے نامدار ﷺ اور آئمۂ امت کی تعریف و توصیف سے بھرپور طاہرہ رباب کی تحاریر میں گداز، نرماہٹ اور انسانیت کے لئے عموماً، اور پیروانِ دینِ متین کے لئے خصوصاً عمیق احساسِ دردنہاں ہے۔ یہی وہ پاکیزہ رویے ہیں جو قلوبِ غلامانِ مولیٰ کریم و رحیم میں نُور کی کرنیں بھر دیتے ہیں۔ ہم شاہد ہیں کہ طاہرہ رباب کی شاعری میں یقیناً جذباتِ صادق جھلک رہے ہیں جو فقط اہلِ اوصافِ حمیدہ کا حصہ ہی ہوا کرتے ہیں۔ امید واثق ہے کہ طہارتِ قلب کا آئینہ اور عظمتِ حروف کا مرقع طاہرہ رباب صاحبہ کی یہ تصنیفِ جدید ''رزم گاہِ شعور'' مقبولِ عام و خاص ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ دلی مبارباد کے ساتھ ذیل میں ایک نظم بطورِ ہدیہء تبریک پیش ہے۔ گر قبول افتند

فضلِ خدا کی دولت

ہے طاہرہ کی عظمت، اہلِ خدا کی الفت
ہے آشیاں میں ان کے، فضلِ خدا کی دولت
عشقِ نبیؐ نے ان کو دیوانگی عطا کی
مرتی ہوئی زمیں پہ ہے زندگی عطا کی
ذکرِ خدا لبوں پہ شام و سحر ہے جاری
قرآن کے سخن کی دل میں ہے خاکساری
ان کی نظر میں یکساں ہیں بادشاہ، بھکاری
آخر ملے گا ان کو انعام اس کا بھاری
شعر و ادب میں ان کی آواز میں بلندی
فکر و خیال کی ہے پرواز میں بلندی
اللہ کرے کہ ان کا زورِ قلم ہو آگے
جب خواب میں ہو قاری ان کی غزل سے جاگے
راہوں میں مشک و عنبر اور تیز تر سواری
اس دور کے ادب کی یہ رزم گاہ شعوری
پُستک میں اک مہک ہے جیسے گلِ بہاری
ہے تتلیوں نے اس کی رنگیں فضا سنواری
اردو کی وہ گگن ہیں، اور بے خزاں ہیں گلشن
عکسِ غزل جو دیکھے تو مسکرائے درپن
دلچسپ ہے فسانہ الفت کی چاشنی سے
قاری سکون پائے پیغامِ آشتی سے
اردو کے کارواں کی وہ میر جرمنی میں
چھوتی ہے دل کو ان کی تحریر جرمنی میں
افلاک پر ادب کے پُر نور مثلِ اختر
نوکِ قلم کے نیچے زندہ سخن منور

قندیل ادب کا 99 واں شمارہ

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحم ہے کہ خاکسار کو قندیل ادب انٹرنیشنل لندن کا یہ 99 واں شمارہ نکالنے کی توفیق مل رہی ہے۔ جب پہلا رسالہ نکالا تھا تو یہ امید بھی نہ تھی کہ بندہ ایک سو مہینے جی بھی پائے گا کہ نہیں۔ اُس رحمان و رحیم کے افضال کی بارش کے ساتھ ساتھ اردو ادب کا ذوق رکھنے والوں نے میرا حوصلہ بڑھایا اور ہم نے منزل کو پالیا۔ اس رسالے میں کافی لوگوں کی ہمدردیاں اور دعائیں شامل ہیں۔ ورنہ اللہ کے فضل کے بغیر یہ جوئے شیر لانا ناممکن تھا۔ بعض لوگوں نے اسے مذہب سے بھی منسوب کرنے کی ناکام کوشش کی۔ اور بعض نے تو اسے پڑھنے پر کفر کے فتاویٰ گھڑنے کی کسر نہ چھوڑی۔ مگر اس رسالے کی پالیسی اور بلاتفریق مذہب و ملت سب کو شائع کر کے احباب کے دل جیت لئے۔ آج یہ رسالہ دنیا کے دو صد ممالک میں لاکھوں قارئین تک بذریعہ انٹرنیٹ رسائی پا رہا ہے۔ لوگ اپنی تحاریر بلا جھجک ارسال کرتے ہیں۔ اور وہ شائع بھی ہوتی ہیں۔ انسانیت کے اس جہان میں انسان پارہ پارہ ہونے باوجود حسد و بغض میں کمال رکھتا ہے۔ اپنے ایمان کے ساتھ ساتھ بغض معاویہ کا بھی ماہر ہے۔ بعض لوگوں کا مثبت سوچ سے دم گھٹتا ہے۔ بعض جبہ پوش علمائے سُو نے تو اس کردار کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ ہم تو محض اردو کی خدمت کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور مقصد نہ ہے۔ اس لئے سب احباب سے شکریے کے ساتھ دعاؤں کی اور تعاون کی اپیل ہے کہ خود بھی اردو پڑھیں اور اپنی نسلوں کو بھی اردو پڑھائیں۔ اگلا شمارہ نمبر ۱۰۰ شائع ہو رہا ہے۔ اس لئے سب سے گزارش ہے کہ قندیل ادب کے لئے بھی کچھ نہ کچھ لکھ کر ضرور بھیجیں۔

(رانا عبدالرزاق خان)

غزلیات

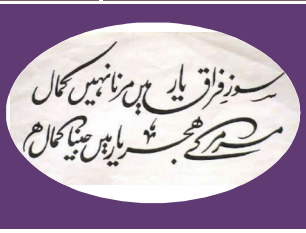

حمدِ باری تعالیٰ

اے میرے خدا تو عظیم ہے
اے میرے خدا تو رحیم ہے
تو جلیل ہے تو حلیم ہے
تو غفور ہے تو کریم ہے
تیرا نام ربِ قدیر ہے
تو علیم ہے تو خبیر ہے
تیری رحمتوں کا حساب کیا؟
تیری برکتوں کا نصاب کیا؟
تیری قدرتوں کا جواب کیا؟
ہمیں مانگنے میں حجاب کیا؟
تو نشیب دے کہ فراز دے
جسے جیسا چاہے نواز دے
ترا جلوہ شمس و قمر میں ہے
ترا چرچا جن و بشر میں ہے

فرزانہ فرحت

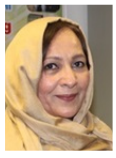

پہنچ کر تیری گلی سے میں پلٹ کر آ گئی
میں کہ اپنی پیاس سے ایسے لپٹ کر آ گئی
پڑ گئی جو راہ میں اپنے گناہوں پر نظر
میں ترے دیدار کے منظر سے ہٹ کر آ گئی
اپنے پلو سے میں پھر اپنی ندامت باندھ کر
سر جھکائے اپنی چادر میں سمٹ کر آ گئی

مدتوں چلتی رہی میں روشنی کی آس میں
ہر قدم پر تیرگی مجھ پر جھپٹ کر آ گئی
اسے شبِ غم دیکھ میرے دل کو فرحتؔ چاہیے
کس لئے دامن سے میرے تو لپٹ کر آ گئی

اشرف کمالؔ

آگ یوں اس کی محبت نے لگائی مجھ میں
اب تو ممکن نہیں خود کو بھی رسائی مجھ میں
دیکھ سکتا ہوں میں دیوار کے آگے پیچھے
اس نے بینائی کی وہ شمع جلائی مجھ میں
تیری آواز جو سنتا ہوں تو سر دھنتا ہوں
ہجر کرتا ہے بہت نغمہ سرائی مجھ میں
پھیر لیتا ہے مجھے دیکھ کے آنکھیں اپنی
جانے کیا بات اسے اب نظر آئی مجھ میں
مجھ کو اب اور دکھائی نہیں دیتا کچھ بھی
اسنے آکر کوئی دیوار اٹھائی مجھ میں
میرے احباب کی حد درجہ عنایت ہے کمالؔ
ڈھونڈ لیتے ہیں نئی روز برائی مجھ میں

شکیل قمر

مجھے پتہ تھا میں اک روز مرنے والا تھا
میں ڈوب کر بھی کہیں پار اترنے والا تھا
یہ حق کی راہ میں مرنا بھی اک سعادت ہے
''میں بچ بھی جاتا تو اک روز مرنے والا تھا''
یہ خوف مرنے کا مجھ کو تو مار ڈالے گا
میں حوصلے سے اسے دور کرنے والا تھا
یہ غفلتوں نے مجھے کر دیا ہے خوف زدہ
میں ہار کر بھی نہیں اس سے ڈرنے والا تھا
میں اس لئے بھی نہیں کرتا ہوں یقین اس کا
وہ اپنی بات سے ہر پل مکرنے والا تھا
یہ خوف کیسا ہے جب سب کو ہی تو مرنا ہے
یہی وہ بات تھی میں اس سے کرنے والا تھا

افتخار راغبؔ دوحہ، قطر

دیکھ لے اپنے رنگ و بُو مجھ میں
کس قدر بس گیا ہے تُو مجھ میں
گھُٹنے لگتا ہے عافیت کا دَم
رنج ہوتا ہے سرخ رو مجھ میں
اُن کو تیرے سراغ سے ہے غرَض
اور ڈھونڈیں گے کیا عدوُ مجھ میں
اب کہاں وہ زبانِ خلق میں بات
کیجئے میری جستجُو مجھ میں
کتنی سمٹی ہوئی مری ہستی
کتنا پھیلا ہوا ہے تُو مجھ میں
محوِ گردش خلا میں مہر و ماہ
تجھ سے ملنے کی آرزوُ مجھ میں
سہمے سہمے خرد کے پر راغبؔ
چل رہی ہے جنُوں کی لو مجھ میں

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

جلد پورا کوئی ارمان ہوا چاہتا ہے
میرا دلبر مرا مہمان ہوا چاہتا ہے
اس کی یادیں جو چلی آئی ہیں نغمہ بن کر
یوں لگے وصل کا سامان ہوا چاہتا ہے
دو گھڑی صبر سے انعام کمایا ہم نے
امتحاں ہر کوئی آسان ہوا چاہتا ہے
روشنی پھیلے گی ہر سمت چراغاں ہوگا
گھر میں اب جشن کا سامان ہوا چاہتا ہے
اب یقیناً وہ نظر آئے گا کم نظروں کو
وہ ہلال اب مہِ تابان ہوا چاہتا ہے
اب سرِ عام مسیحائی کا فیضاں ہوگا
دہر کے درد کا درمان ہوا چاہتا ہے
اس کی خوشبو کی ہواؤں نے خبر دی ہے مجھے
اب چمن میں بھی یہ اعلان ہوا چاہتا ہے
طارق اب خواب حقیقت میں بدل جائے گا
تُو نے سوچا ہے جو ہر آن، ہوا چاہتا ہے

دوبارہ ارشاد

بین الاقوامی فی البدیہہ طرحی مشاعرہ

فضائے شام، سمندر، ستارہ جیسے لوگ
وہ بادبان کھلے، کشتیاں چلانے لگے
بس ایک خواب کے مانند یہ غزل میری
بدن سنائے اُسے رُوح گنگنانے لگے
ہزاروں سال کے انساں کا تجربہ ہے جو شعر
تو پل میں کیسے کھلے وہ جسے زمانے لگے
سیاہ رات کی حد میں اگر نکل آئے
دیئے کے سامنے خورشید جھلملانے لگے
ہر اک زمانہ زمانہ ہے میر صاحب کا
کہا جو ان نے تو ہم بھی غزل سنانے لگے

آفتاب شاہ

متعلق میرے جو بتایا گیا ہے
بہت کچھ تم سے چھپایا گیا ہے
جو بھی بتانا تھا وہ نہ بتا کر
تماشہ یہ پھر کیوں لگایا گیا ہے
منافق بنا کر منافق جتا کر
شیشہ یہ خود کو دکھایا گیا ہے
برا ہوں برا ہوں میں ہی برا ہوں
بہت کم تم کو سنایا گیا ہے
نشے پہ لگا کر یاری کے مجھ کو
اسی دوستی میں ہرایا گیا ہے
میری شان میری نوابی نہیں ہے
غلط ہے جو تم کو سنایا گیا ہے

صرف یادیں ہیں دعائیں ہیں محبت کی امیں

میری یادیں جو مری قبر میں روشن ہیں ہنوز
پیغامِ خدا سازِ وفا دیتی ہیں
ایمان و یقیں دیتی ہیں کہتی ہیں
اے بشر تو نہیں تنہا یہ وہ عالم ہے جہاں
شاہ و گدا قیصر و مظلومِ زماں
یہ وہ محفل ہے جہاں سنجِ فغاں ہیں سب لوگ
جشن حیوان بھی، ماتم بھی ہے،قوالی بھی
اور دنیا میں ابھی رقصِ شرر ہے جاری ہے
قطرۂ خون ہے ارزاں ہر جا آہ و بکا،طوقِ جفا
میرے ہونٹوں پہ بس اتنا سوال آتا ہے
ماجرا کیا ہے؟ یہ بیدادِ زمانہ کیا ہے؟ کیوں ہے؟
میں کہاں ہوں مری دنیا کا نظارہ کیا ہے؟
برق کیا ہے،ستم کیا ہے،ستم گر کیا ہے

ڈاکٹر محمد عامر خان

اگر آ گئے ہم ذرا لہر میں
غزل ایک لکھیں گے اس بحر میں
تو اشکوں سے اس کو بجھاتا ہے کیا
عجب آگ ہے ہر طرف دہر میں
صداقت نہ جانے کہاں کھو گئی
کوئی ہم سا پاگل نہیں شہر میں
اٹھا کر جو لائے ہو جذبوں کی لاش
بہا دو اسے یاس کی نہر میں
نہ گھائل کرو نفس کی اونٹنی
خدا آنہ جائے کہیں قہر میں
طلب ہے ہمیں تو فقط نور کی
نہیں فرق کوئی مہ و مہر میں
یہ دیکھو کہ عامر تو زندہ ہے آج
ملاوٹ سی لگتی ہے کچھ زہر میں

آفتاب شاہ

کیا بتاؤں تم سے لڑ کر میں
بے چینی میں کیا کیا کرتا ہوں
چائے پیتا ہوں پھر میں کثرت سے
کپ کو ہتھیلیوں پر رگڑتا ہوں
خود کو کوستا ہوں کتنی بار
کپ دوبارہ جب میں پکڑتا ہوں
یاد کرتا ہوں تم کو شدت سے
آخری گھونٹ جب میں بھرتا ہوں
کیا بتاؤں تم سے لڑ کر میں
یاد تم کو کتنا کرتی ہوں

چائے پینا تو جیسے بھول گئی
سانس لینے سے بھی ڈرتی ہوں
میری رگیں ٹوٹنے لگتی ہیں
دم تمہارا جب میں بھرتی ہوں
خود کو نوچتی ہوں ایسے میں
حرکتیں پاگلوں سی کرتی ہوں
کیا بتاؤں تم سے لڑ کر میں
خود سے کتنی باتیں کرتا ہوں
ہاتھ بڑھاتا ہوں موبائل کی جانب
گزری باتیں یاد کرتا ہوں
دل جلاتا ہوں تیری خاطر
تھوڑا جیتا تھوڑا مرتا ہوں
تم بھی سوچتی ہوگی مجھ کو
مان کتنا تم پہ کرتا ہوں
دل! دھڑکنا تو بند کر پیارے
کرتا ہوں اس کو میسج کرتا ہوں

ساجد محمود رانا

سرِ بازار نہ آئی تو شرافت کیا ہے
عشق سولی پہ نہ بولے تو عبادت کیا ہے
عین ممکن ہے ترے ہجر میں دل مر جائے
جان بچ جائے مری جان تو حیرت کیا ہے
ایک ہی بار جو ہوتی ہے محبت وہ ہے
دوسری بار جو ہوتی ہے محبت کیا ہے
دل کی گلیوں سے وہ چپ چاپ گزر جاتا ہے
اس سے بڑھ کر بھی میرے دل پہ قیامت کیا ہے
میں نے بن مانگے لٹائی ہے جنوں کی دولت
مجھ سے مت پوچھ میرے دوست سخاوت کیا ہے
پیڑ کی آنکھ سے بہتے ہوئے آنسو دیکھے
اور پرندوں سے نہیں پوچھا کہ ہجرت کیا ہے
سرِ دیوار نظر آتے ہیں خوں کے چھینٹے
پسِ دیوار خدا جانے روایت کیا ہے
ایسا کرنا کہ مرا نام بتانا اس کو
دشت میں پوچھے اگر کوئی کہ وحشت کیا ہے
اس نے دریا میں اتارے نہیں پاؤں ساجد
اس کو معلوم تھا پانی کی حقیقت کیا ہے

اطہر حفیظ فراز

اس کو سوچوں یا بھلاؤں، فیصلہ محفوظ ہے
چھوڑ دوں یا پاس جاؤں، فیصلہ محفوظ ہے
بات کہنا بھی ضروری، خامشی بھی ٹھیک ہے
چپ رہوں یا گنگناؤں، فیصلہ محفوظ ہے
عشق کا ہے کھیل ساجن!! ہار میں بھی جیت ہے
جیت لوں یا ہار جاؤں، فیصلہ محفوظ ہے
شوخیوں میں بانکپن ہے، ضد کا بھی پکا ہے وہ
اس سے بگڑوں یا مناؤں، فیصلہ محفوظ ہے
نرم و نازک بازوؤں میں پھول کے گجرے رکھوں

ندیم ناجد

میں کینوس کے سفید لہجے پہ
اپنی آنکھوں کو اور سماعت کو
چھوڑ آیا ہوں اِس لیے بھی
تو رنگ بھر دے تو میں بھی رنگوں کو دیکھ پاؤں
یہ بول اُٹھیں تو اپنے کانوں سے سُن بھی پاؤں
اے مصحفِ رنگ و نُور
مجھ میں بھی رنگ بھر دے
جہاں جہاں سے ہوں زرد
تھوڑا ہرا سا کر دے
جو تھام رکھا ہے تُو نے ہاتھوں میں برش حیدر
مری جو پوروں کو ایک شب اس کا لمس دے دے
تو میں چراغوں میں لَو کی جگہ پہ ان کو رکھ دوں
اے رنگِ ماہِ مبیں
ترے دست و پا سلامت
مجھ ایسے بے خال و خد کو دی شکلِ جاودانی
سدا سلامت رہے یہ رنگوں کی راج دہانی
سدا سلامت رہے یہ رنگوں کی راج دہانی

م اقاہر

مجھے تم خیال سے رکھو
میں گر کے ٹوٹ سکتا ہوں
کھلونے سا ہے دل میرا
اسے عادت ہے پھولوں کی
سحر سے خوب رشتہ ہے
آذان مرغ کا ہے لطف
عجب شوق فراخی ہے
ستاروں سے بھی یاری ہے
مدد مانگیں تو کس سے ہم
سنائیں کس کو حال دل
نہ اپنا کوئی حامی ہے
نہ اپنا کوئی جانی ہے
دھلاسے دینے والے کیوں
بھلا پیدا نہیں ہوتے
جو تھپکی دیں کہ اٹھ بیٹا
ابھی دنیا بہت سی ہے
تو بس اک بے وفا پیچھے
بنا بیٹھا ہے شاعر اور

تصور میں اسے رکھ کر
تباہی پر بزد ہے خود
وہ عیش وعشرتوں میں مست
تو اس کے غم میں کیوں ہے گم
بجھا دے یاد کے دیئے
بھلا دے اس کے چہرے کو
اسے دل سے تو گل کر دے
سپرد خاک کردے تو
ہمیشہ کیلئے اس کو
دفن کر دے دفن کردے
اسے دل میں دفن کر دے

افتخار راغبؔ دوحہ قطر

عجیب حال ہے دل کا، عجب اُداسی ہے
لہو نہیں ہے رگ و پے میں اب اُداسی ہے
پڑھا ہے تم کو بہت ہی قریب سے میں نے
تمھاری خندہ لبی کا سبب اُداسی ہے
اُدھر سے تیر چلے تیری مسکراہٹ کے
اِدھر یہ حال کہ پھر جاں بہ لب اُداسی ہے
بتاؤ مت مجھے، خود سے تو پوچھ کر دیکھو
کوئی سبب بھی ہے یا بے سبب اداسی ہے
وہ دل فریب جو محور ہے میری غزلوں کا
ہے نام اس کا محبت، لقب اداسی ہے
عبث ہیں کوششیں راغبؔ وہ رنگ بھرنے کی
کسی کے دَم سے دمک تھی سو اب اُداسی ہے

میاں وقار الاسلام

دھرتی کے اِن رکھوالوں کو
جانباز سپہ سالاروں کو
اِن مہکے مہکے پھولوں کو
اِن دہکے سے انگاروں کو
اِن اپنوں کو اِن پیاروں کو
اِن روشن چاند ستاروں کو
میں اپنی الفت پیش کروں
یا دل کی چاہت پیش کروں
سرحد کے اِن شاہینوں کو
نذرانۂ جرات پیش کروں
?انوار کہوں یا مان کہوں
یا فخرِ پاکستان کہوں
بس ان کو اپنی شان کہوں
وقارِ پاکستان کہوں

عاطف جاوید عاطف

پنچھی جاکر دُور پلٹنا بھول گئے
آنگن کے سب پھول مہکنا بھول گئے
پلکوں پر اک تتلی آکر بیٹھ گئی
پھر ہم اپنی آنکھ جھپکنا بھول گئے
خوشبو اپنی چھوڑ گئے ہو پاس مرے
کیا کیا تم سامان میں رکھنا بھول گئے
ہنس دیتے ہو آنکھ چُرا کر آج بھی تم
لیکن اب وہ گال دہکنا بھول گئے
آنکھوں کو ترسیل لہو کی تم سے تھی
جانے کیوں تم یار دھڑکنا بھول گئے
نمبر ہے تبدیل مگر تم فون پہ یار
لہجے کی جھنکار بدلنا بھول گئے
میسج میں بس پاگل لکھ کر بھیج دیا
کتنا کس کے پیار میں لکھنا بھول گئے

فرزانہ فرحت لندن

خود اپنے درد کے اشکوں کو صاف کرتے ہوئے
دکھوں کو اپنے بدن کا لحاف کرتے ہوئے
غزل میں ڈھال رہی ہوں ترے فراق کا غم
میں لفظ لفظ کو بس شین قاف کرتے ہوئے
گئی تھی میں تری بستی کو چھوڑ کر اک دن
میں لوٹ آئی مگر تجھ کو معاف کرتے ہوئے
میں کیا بتاؤں کہ کیا کیا نہ مجھ کو یاد آیا
تری گلی ترے گھر کا طواف کرتے ہوئے
ڈٹی ہوئی ہوں فقط سچ کے واسطے فرحت
تمام شہر کو اپنے خلاف کرتے ہوئے

نواب ناظم

درد وغم کے آئینے کا کرب کی تصویر کا
ذرہ ذرہ مضطرب ہے وادی کشمیر کا
روح آزادی تڑپتی ہے حصار جبر میں
بہہ رہا ہے خون دل ہر پیکر دلگیر کا
فیصلہ اقوام عالم کا جو ٹھکرایا گیا
خون سے سر نامہ لکھا جائے گا تقدیر کا
جسمیں حریت کا سورج ہر طرف تھا جلوہ گر
سامنے چہرہ ہے اب اس خواب کی تعبیر کا
ہر مجاہد سربکف ہے زندگی بیدار ہے
موت کے مدمقابل شور ہے تکبیر کا
گیسوئے تحصیل آزادی کے سائے میں بڑھو
ٹوٹنے والا ہے حلقہ قہر کی زنجیر کا
ظالموں کی شدتیں پہنیں گی ظلمت کا کفن
ڈوبنے والا ہے سورج ظلم کی تقصیر کا

خون مسلم رنگ لے آئے گا اک دن دیکھنا
رُخ نہتے موڑ دیں گے کفر کی شمشیر کا
اے ستم ایجاد اے اس دور کے وعدہ شکن
تجھ کو پڑھوا دیں گے ہم مضمون تری تحریر کا
یہ صدائیں آ رہی ہیں رات دن اس پار سے
اے مسلمانو بڑھو موقع نہیں تاخیر کا
اب تو ناظمؔ عالم اسلام کو بیدار کر
اب تو سلجھانا پڑے گا مسئلہ کشمیر کا

ڈاکٹر ظفر جاذب

نگاہ یار سے بہتر کوئی علاج نہیں
تمھارے پیار سے بہتر کوئی علاج نہیں
یہ طے شدہ ہے محبت ہے لاعلاج وباء
اور اس میں ہار سے بہتر کوئی علاج نہیں
بحال رکھنا ہے گر سلسلۂ مہر و وفاء
تو اعتبار سے بہتر کوئی علاج نہیں
سنا ہے صبر کبھی رائیگاں نہیں جاتا
تو انتظار سے بہتر کوئی علاج نہیں
فراق یار ہی گر مستقل نصیب بنے
تو اس میں دار سے بہتر کوئی علاج نہیں
مریض عشق ہوں میں جانتا ہوں یہ کہ مرا
ترے دیدار سے بہتر کوئی علاج نہیں

عاصی صحرائی

ہر سمت خوشبو لائے گی اکیسویں صدی
گلشن پہ رُوپ لائے گی اکیسویں صدی
ہر آن جگمگائے گی پیار کی شمع
ہر روز مسکرائے گی اکیسویں صدی
کیوں بڑھ رہا ہوس میں ہے حضرت انساں
یوں آگ کو بڑھائے گی اکیسویں صدی
ہر سُو رواج شرک کا دنیا میں آج ہے
قرآن بھول جائے گی اکیسویں صدی
عرب و عجم یہود کے پجاری ہوگئے
بت کعبے میں سجائے گی اکیسویں صدی
مسلم ہوا ہے باغی آپ اپنے دین کا
اُمت کو کیا بتائے گی اکیسویں صدی
فرعون وقت خود کو بتاتا ہے حق پرست
موسیٰ کہاں سے لائے گی اکیسویں صدی
انسانیت ہیں ڈھونڈ رہے آدمی یہاں
دولت یہ گھر کو لائے گی اکیسویں صدی
ہے اُمت مرحومہ کو عیسیٰ کا انتظار
کیا مرسل اُسے بتائے گی اکیسویں صدی
اُمت ہے منتشر بے عمل پارہ پارہ
ایماں زمیں پہ لائے گی اکیسویں صدی
علمائے سُو ہیں بن چکے جنگل کے جانور
مومن انہیں بنائے گی اکیسویں صدی
حکم و عدل، انسانیت مفقود ہوگئی
ظلم و ستم مٹائے گی اکیسویں صدی
ایماں فروش ،مقتدر مرے وطن میں ہیں
ان سے نجات پائے گی اکیسویں صدی؟

بشریٰ سعید عاطف

ہر وقت اُنگلیوں پہ نچاتی ہے زندگی
خواہش کا یہ غلام بناتی ہے زندگی
بھٹی میں جھونک دیتی ہے غربت کو یہ کبھی
دل پر کبھی یوں چوٹ لگاتی ہے زندگی
مشکل کے طور کو تمہیں کرنا ہے سر یہاں
رستہ یہ امتحاں کا دِکھاتی ہے زندگی
تنکے کا ڈوبتے کو سہارا دیا تو ہے
جینے کا آسرا بھی دِلاتی ہے زندگی
رُکتا نہیں جفاؤں کا یہ سلسلہ کبھی
دل کی زمیں پہ درد اُگاتی ہے زندگی
یہ وصل کی نوید سُنا کر اے ہمنشیں
احساس قربتوں کا دلاتی ہے زندگی
کانوں میں مصری پیار کی بشریٰؔ یہ گھول کر
نغمہ سُریلا ہم کو سُناتی ہے زندگی

عالیہ جبیں آلی

مَن دے اَندر جھانکے گون
دَرد دِلاں دے جانے گون
تُوں وی مَیلا میں وی مَیلی
پاک ہُن جگ نُوں کرے گا گون
چُوڑھیاں سَچّیاں گلّاں کرکے
رَب نوں راضی کرے گا گون
ہُن وی وَیلا اے بَندیا سمجھ جا
مَر کے توبہ تیری سُنے گا کون
میرا تیرا کر دے کر دے
لکّھاں جا مِلے وِچ مِٹّی
کُجھ نئیں تیرا کُجھ نئیں میرا
ذات بس میرے رَب دی اُچّی
اُچّیں اں شَاناں والا رَب اے
باقی سب کچھ مِٹی مِٹی

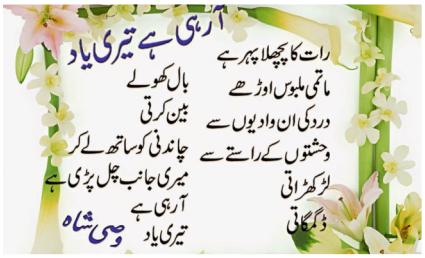

مبارک صدیقی

میں چاہتا ہوں کسی روز وہ خفا ہو کر
مجھے بھی چار ''سنائے'' وہ اتنا پیارا ہے
وہ میکدے کو دیکھے تو میکدہ جُھومے
سبُو کو ہوش نہ آئے وہ اتنا پیارا ہے
تو پھر وہ ذرّہ بھی گوہر مثال ہوتا ہے
جسے وہ ہاتھ لگائے وہ اتنا پیارا ہے
میں بھول جاؤں گا سارے بہشت کے منظر
اگر وہ پاس بٹھائے، وہ اتنا پیارا ہے
میں چاہتا ہوں کسی روز برف باری ہو
اسے پلاؤں میں چائے وہ اتنا پیارا ہے
وہ شخص دیکھنے نکلے کبھی جو عید کا چاند
تو چاند نوروں نہائے وہ اتنا پیارا ہے
میں اس کے شہر کی مٹی بھی چوم سکتا ہوں
دل ونظر کو بچھائے وہ اتنا پیارا ہے
وہ سامنے ہوتو پھر جی،حضور، وہ میں، نا
سمجھ میں کچھ نہ آئے وہ اتنا پیارا ہے

سید امجد شاہ جرمنی

وہ سمندر ہے، ایسا کہتا تھا
ساحلوں پر جو سر پٹکتا تھا
عکس پتھر ہوا اور چلنے لگا
نقش پانی پہ آکے ٹھہرا تھا
موت کے بعد زندگی ہو گی
پہلے ہوتی تو کتنا اچھا تھا
آگ ہی آگ ہر طرف ہے اب
دین بیچو! یہ کون کہتا تھا
تم کہو، جاں کنی کے لمحوں میں
میں کبھی ڈر کے سمٹا سہا تھا
روح لے جائے گی مجھے خود ہی
پھر اسی گھر جہاں میں رہتا تھا
اک تخیل پہ جان و دل سے گیا
جو تجلی پہ ہوش کرتا تھا
جس نے فتنہ کہا تھا انساں کو
وہ فرشتہ بلا کا سچا تھا

عبدالحمید عدمؔ

مرسلہ طیبہ شہناز کریم لندن

اک سارسوں کا قافلہ
شوقِ وطن دل میں لئے
آزاد سب افکار سے
اٹھکیلیاں کرتا ہوا
واپس تھا گھر کو جارہا
قسمت کا کرنا دیکھنا
اک شکاری آگیا
اس نے دیا گھوڑا دبا
اک گونج سی پیدا ہوئی
آواز تھی بندوق کی
گویا کہیں بجلی گری
سارس ہراساں ہوگئے
لیکن شکاری کیلئے
قسمت سے دو پر گر پڑے
سارس گئے پرواز کر
سردار نے ان سے کہا
اے سار سو یہ کیا ہوا
سب بچ گئے سب نے کہا
پر ایک بولی اُف مری
وہ پر اسی کے تھے گرے
دیکھا جو ایسا ماجرا
سرتاج نے اُس سے کہا
اے جانِ من آرام جاں
راحت کا دل عصمت کی جاں
کیا کر چلی بے خانماں
کچھ تو بیاں تُو حال کر
اک آہ کی اور یوں کہا
بازو میرا زخمی ہوا
جانم فدا قرباں گئی
قسمت کی آری چل گئی
لینا مجھے ورنہ گری
حالت میری ابتر ہوئی
اچھا نہ میرا غم کرو
مجھ کو خدا پر چھوڑ دو
بچوں کی ہاں لینا خبر
آہ! سارس نے کہا
تجھ سے الگ جیتا رہوں
کی عمر تو باہم بسر
اب کیا اکیلا چھوڑ دوں
فرقت کی آتش میں جلوں
صدمے جدائی کے سہوں
مجھ سے تو یہ ہوتا نہیں
بچے سنبھالے گا خدا
مجھ سے نہ یوں دامن چھڑا
بہر خدا ہاں مان جا
جاؤں کہاں تو ہی بتا
تجھ کو اکیلا چھوڑ کر
میں تجھ کو اپنے ساتھ لوں
بولی نہ ہوگا یہ کبھی
ہونی تھی جو وہ ہوچکی
تیرے رہے یہ کب ٹلی

پھر مفت تم کیوں جان دو
قربان جاؤں مان لو
تم کو میرے سر کی قسم
آپس کی اُلفت کی قسم
تم جاؤ گھر کو لوٹ کر
مجھ کو خدا پر چھوڑ کر
لازم ہے بچوں کی خبر
اتنا کہا اور گر پڑی
بے پر کی جیسے تیتری
یا یوں کہوں کوئی پری
راندی ہوئی دربار کی
پر نوچ کر پھینکی گئی
ٹوٹی ہوئی یا اک کلی
مرجھا گئی کملا گئی
یا جیسے شب کی چاندنی
چپکے زمیں پر آرہی
ہمت نہ اُٹھنے کی رہی
آخر زمیں کی ہورہی
ہاں ایسے ہی سارس کی جاں
اک مشتِ پر یا اُستخواں
خاموش بے آہ و فغاں
اتری نہ تھی جانے کہاں
گو وہ تھا اک جوگی کا گھر
جوگی وہ ہر چپنے لگا
دیکھا جو کچھ گرتا ہوا
ہمت سے کچھ آگے بڑھا
دیکھا کہ ہے اِک نیم جاں
رؤیا کہ اُف شانِ خدا
چھوٹا ہے اس سے کارواں
یا گم ہوا ہے آشیاں
لیکن ہے میری مہماں

سینے لگا کر یوں کہا
سب کو خدا کا آسرا
لیکن یہ رشتہ چاہ کا
انسان ہو یا جانور
رکھتا ہے جادو کا اثر
کی لاکھ جوگی نے دوا
لیکن نہ ٹوٹا پر اُگا
آخر سہارا صبر کا
اسکے سوا چارہ نہ تھا
ہے دل کو دل سے واسطہ
آپس میں اُلفت ہوگئی
جوگی کے گھر رہنے لگی
اڑنے سے وہ مایوس تھی
لیکن تھی اک تسکیں ابھی
شاید پرانا قافلہ
موسم پہ آئے لوٹ کر
گو عیش تھا آرام تھا
کھانے کو سب کچھ عام تھا
صیاد کا کچھ ڈر نہ تھا
پر کونج کے دل کی کلی
مرجھا گئی کملا گئی
آنکھوں سے اَشکوں کی جھڑی
اسکے سدا جاری رہی
ظاہر میں گو خاموش تھی
دل میں مگر کہتی رہی
اے خالقِ ہر دوجہاں
اے مالکِ کون و مکاں
ہوگی بسر کیسے یہاں
آقا مرے مولا مرے
مجھ سے مرا دلبر ملے
وہ دن مرے پھر پھیر دے

وہ شادیاں وہ مشغلے
پھر جاؤں گھر کو لوٹ کر
ایسے ہی مدت ہوگئی
رُت بھی بدلنے کو ہوئی
لیکن کڑی وہ جان کی
کمبخت تھی جیتی رہی
جب بھی پہاڑی جانور
اس کو کوئی آتا نظر
فوراً یہ کہتی طائرو
نام خدا کچھ تو کہو
تم خوش رہو جیتے رہو
اے جانے والے سارسو
مجھ سے مرے گھر کی خبر
اک روز پھر اک قافلہ
دیکھا کہیں جاتا ہوا
چلاّ کے اس نے کی صدا
ایسے کہ ہل جائے زمیں
اے طائرانِ خوش مکیں
تم میں تو میرا دل نہیں؟
یا تم نے دیکھا ہو کہیں
مدت سے ہوں میں منتظر
کوئی نہیں دیتا خبر
کہنا کہیں پاؤ اگر
وہ خستہ تن وہ نیم جاں
ہو جس کے دل میں تم نہاں
پامال ہے مثلِ خزاں
روتی ہے شب سے تا سحر
بیٹھی ہے تیری منتظر
یہ سنتے ہی وہ قافلہ
چکر وہیں کھانے لگا
ہاں ایک سارس اُن میں تھا

پہلے رہا کچھ سوچتا
اڑتا رہا گرتا رہا
پھر جانے دل میں آئی کیا
قدموں میں اس کے آگرا
دلبر سے ہاں دلبر ملا
بولا میری قسمت پھری
یہ کہہ کے آپس میں گلے
ایسے ملے ایسے ملے
گویا کہ دونوں ایک تھے
چینی کے بُت ایسے بنے
پتھر کے ہیں کوئی کہے
تصویر مانی کی طرح
دونوں کھڑے خاموش تھے
گھنٹوں یہی حالت رہی
حرکت نہ تھی جنبش نہ تھی
جوگی کھڑا حیران تھا
انکو الگ کرنے لگا
دیکھا تو ہے اک مشت پر
روحیں گئیں پرواز کر

نامعلوم

سب ظلم و ستم تیر و تفنگ دیکھ چکے ہیں
جتنے ہیں تیرے ظرفک کے ننگ دیکھ چکے ہیں
گرنے کو ہیں اب تیرے تکبر کی دیواریں
اب لوگ تیرا قافیہ تنگ دیکھ چکے ہیں
لرزاں تھے تیرے جبر سے تاریخ کے اوراق
جو بھی ہیں تیرے ظلم کے رنگ دیکھ چکے ہیں
پہلے بھی تیرا حشر برا دیکھا ہے ہم نے
کیا تھی وہ تیری جھوٹی ترنگ دیکھ چکے ہیں
روکو گے بھلا کیسے ہمیں صدق و وفا سے
ہم پہلے بھی سب تیشہ و سنگ دیکھ چکے ہیں
بڑھنا ہے ہمیں سوئے فلک عزم و یقیں سے
کچھ بھی نہیں یہ راہ کے سنگ دیکھ چکے ہیں

ایسی ہونی چاہیے سردی میں شاعری

تم کون ہو
کیسے بتاؤں میں تمہیں
میرے لیے تُم کون ہو
تم آس ہو
تم پاس ہو
میرے لیے کچھ خاص ہو
کیسے بتاؤں میں تمہیں
تم سردیوں کی دھوپ ہو
تم چائے ہو یا سُوپ ہو
میرے لیے گیزر ہو تم
کوئلہ ہو تم، ہیٹر ہو تم
تم لکڑیوں کا ٹال ہو
تم نرم گرم سی شال ہو
کیسے بتاؤں میں تمہیں
لیدر کی اک جیکٹ تمہی
پستے کا اک پیکٹ تمہی
تم برینڈ بھی، لنڈا بھی تم
اُبلا ہوا انڈا بھی تم
انڈے کی زردی ہو تمہی
زردی کی وردی ہو تمہی
گاجر کا حلوہ تم ہی ہو
میووں کا جلوہ تم ہی ہو
کیسے بتاؤں میں تمہیں
میرے لیے
کا جُوبھی تم، چلغوزے تم
مفلر، سویٹر، موزے تم
جرسی، جرابیں ہائی نیک
لوشن، کریموں کی مہک
اک گرم سا کن ٹوپ ہو
پاجامہ ہو، تم کوٹ ہو
کمبل رضائی ہو تمہی
قہوہ، ملائی ہو تمہی،
تم ریوڑھی تم مونگ پھلی
سردی میں لگتی ہو بھلی
خاموش سے، چُپ چاپ بھی
تم منہ سے نکلی بھاپ بھی
تم چائے کا تھرماس ہو
میرے لیے تم خاص ہو
کیسے بتاؤں میں تمہیں
میرے لیے تم کون ہو

پروفیسر عبدالکریم خالد

محبت شاخِ زرّیں پر کسی خوشبو کا دَھر جانا
کبھی دھیرے سے جی اُٹھنا کبھی چُپکے سے مرجانا
محبت ڈال پر بیٹھے پرندے کی صدا بھی ہے
جسے بس ایک ہی دُھن ہے جو کرنا ہے وہ کر جانا
یقین و بے یقینی میں بس اتنا فرق ہوتا ہے
کبھی بے خوف ہو کر بھی ذرا آہٹ سے ڈر جانا
دُعا دستِ دعا میں چُپ اُدھر آنکھیں ہیں خالی
تو پھر یہ معجزہ کیا ہے مرے دامن کا بھر جانا
تمہارے ہاتھ کیا آیا یہ عمروں کی ریاضت میں
کہو کیسا رہا خالدؔ یوں خالی ہاتھ گھر جانا

اعتبار ساجد

مجھے ایسا لطف عطا کیا، جو ہجر تھا نہ وصال تھا
مرے موسموں کے مزاج داں، تجھے میرا کتنا خیال تھا
کسی اور چہرے کو دیکھ کر، تری شکل ذہن میں آ گئی
تیرا نام لے کے ملا اسے، میرے حافظے کا یہ حال تھا
کبھی موسموں کے سراب میں، کبھی بام و در کے عذاب میں
وہاں عمر ہم نے گزار دی، جہاں سانس لینا مُحال تھا
کبھی تُو نے غور نہیں کیا، کہ یہ لوگ کیسے اُجڑ گئے؟
کوئی میر جیسا گرفتہ دل، تیرے سامنے کی مثال تھا
تیرے بعد کوئی نہیں ملا، جو یہ حال دیکھ کے پوچھتا
مجھے کس کی آگ جُھلسا گئی؟ میرے دل کو کس کا مَلال تھا؟
کہیں خونِ دل سے لکھا تو تھا، تیرے سالِ ہجر کا سانحہ
وہ ادھوری ڈائری کھو گئی، وہ نجانے کون سا سال تھا؟

امجد مرزا امجدؔ

جب سے حُسن و عشق کی وابستگی جاتی رہی
ہر تمنا سرد ہے اور ہر خوشی جاتی رہی
چاندنی راتوں کا کرتے تھے کبھی ہم انتظار
آہ، ان راتوں کی اب وہ دلکشی جاتی رہی
آپ کا آنا ہمارے غم کا دَرماں ہو گیا
اور جو دل میں خَلش تھی دائمی ، جاتی رہی
بے وفا دل کو مرے تو اب نہیں کوئی ملال
غم تو یہ ہے، مدتوں کی دوستی جاتی رہی
جُڑ بھی جائے اب اگر ٹوٹا ہُوا شیشہ تو کیا
آبگینے سے وہ دل کے، روشنی جاتی رہی
آج امجدؔ ہوگئے ہو ان سے تم اتنے قریب
کل کہو گے تم ہی، سب سے دل لگی جاتی رہی

طفیل عامر

ٹھنڈیاں مٹھیاں چھاواں پچھے
روندے بال نیں مانواں پچھے
ویلا اجے وی سرت لین دا
چھڈ جاون نہ ہاواں پچھے
ہتھ سوہنے دے ہتھ اچ دتا
راہواں چھڈیاں راہواں پچھے
ہون جنہاں دے، قدر نہ کوئی
روندے لوک بھراواں پچھے
میں تے پیار نوں فیر وی ترساں
میں تے فیر وی جاواں پچھے
عزت جانن عزت والے
جان وی دیندے ناواں پچھے
کیہ کریئے تے کتھے جایئے
ہر کوئی اپنے داواں پچھے
قبر نصیباں نال اے یارا
مر جانے آں تھاواں پچھے
اسی لوک وی کیہ آں عامرؔ
دُھپے سڑ گئے چھاواں پچھے

عبدالحمید حمیدی کنیڈا

جانتا ہوں تجھے زمانے سے
پھر بھی ہٹتا نہیں نشانے سے
آرزو چاہتوں میں ڈھلنے لگی
اک ذرا سا قریب آنے سے
ہم پہ کچھ انگلیاں سی اُٹھنے لگیں
تیرے کوچے میں آنے جانے سے
چہ میگوئیاں سی ہونے لگتی ہیں
بات چھپتی نہیں چھپانے سے
دیکھنے والے ہمیں کہتے ہیں
لگے ہیں یہ ذرا پرانے سے
حال میں اپنے یہ مست رہتے ہیں
کوئی شکوہ نہیں زمانے سے
مسکراؤ کہ لوگ کہتے ہیں
عمر بڑھتی ہے مسکرانے سے

ایس۔ایم۔تقی حسین

اک برگ گل گرا تو عجب بات یہ ہوئی
کیا اس طرح زمیں کہیں بے آبرو ہوئی
بھنورے کا عشق دیکھیئے کیسا جنون تھا
کوئی کلی نہ ایسے کہیں رو برو ہوئی
اب ولولہ نہیں ہے تجربہ کے ساتھ ساتھ
وہ بھی عمر کے ساتھ مہ رو نہیں ہوئی
وہ میرا عشق تھا کہ صدائے بہار تھی
اُٹھتی ہوئی مہک تھی زمیں پر فرو ہوئی
بادل وہ بارشوں کا تھا اور ساتھ تھی دھنک
اور صورت شفق بھی یہاں سرخ رو ہوئی
تھا دوش یار اور وہاں سر مرا تقی
ایسا بھی کیا تھا کس لئے وہ ترش رو ہوئی

آفتاب شاہ

انوار تیرا، دیدار تیرا، روح روشن عشق سرکار میرا
وہ یار میرا، دلدار میرا، دل روشن عشق سالار میرا
ازکار بھی تُو، افکار بھی تُو اس گلشن کی چہکار بھی تُو
اقرار میرا، وہ پیار میرا، مکھ روشن عشق شہکار میرا
وہ خواب تیرا وہ خیال تیرا بند آنکھوں میں احوال تیرا
تعبیر بھی تُو، تفسیر بھی تُو، من روشن عشق انگار میرا
سنگار بھی تُو، جھنکار بھی تُو میرا دیپک راگ ملہار بھی تُو
شہوار میرا، فنکار میرا، آنکھ روشن عشق پرکار میرا
اُلفت بھی تُو چاہت بھی تُو میری ہستی کا غمخوار بھی تُو
دربار میرا، ادبار میرا، جگ روشن عشق اظہار میرا

امجد مرزا امجدؔ

اپنی فطرت وچ کجھ بغاوت وی اے یارو !
سچ بولنا وی ہے بڑا دشوار اج کل
نہ بحر نہ خیال نہ علم ہے نہ فن
شاعراں دے بھرے شہر تے بازار اج کل
ویکھ کے یاراں دی یاری دوغلی
ہوندا میں ڈہڈا اشکبار اج کل
کیویں کراں میں گلہ تیرے پیار دا
کس نوں ملیا اے سچا پیار اج کل
توں تے پینی چھوڑ دتی ہے امجدؔ
فیر کیوں اے تیری اکھاں چہ خمار اج کل

ہنسی آتی ہے مجھے حضرتِ انسان پر
گناہ کرتا ہے خود، لعنت بھیجتا ہے شیطان پر
علامہ اقبال

عاصمہ جہانگیر کون تھی؟

پی ٹی آئی کے منسٹر علی زیدی نے کچھ سال پہلے ٹی وی کے ایک پروگرام میں عاصمہ جہانگیر سے بدتمیزی کی جس کے بعد عاصمہ جہانگیر شو سے اُٹھ کر چلی گئیں۔علی زیدی کا اس میں قصور نہیں ہے کہ اس کو پتہ ہی نہیں کہ عاصمہ جہانگیر کون ہے۔سارا قصور ہماری اشرافیہ کا ہے کہ جس نے دوسرا بیانیہ سامنے آنے ہی نہیں دیا اور علی زیدی جیسے بدتمیزی پر تیار ہو گئے۔عاصمہ جہانگیر کی کہانی کیا سناؤں! وہ غیر معمولی کردار ہے۔ وہ ابھی اکیس برس کی لاء اسٹوڈنٹ تھی کہ اس کے والد کو جنرل یحییٰ خان نے جیل میں ڈال دیا۔ وہ اپنے والد کی رہائی کے لیے پاکستان کے ایک ایک بڑے وکیل کے پاس گئی، سب نے جنرل یحییٰ خان کے خوف سے کیس لینے سے انکار کر دیا۔اس کم عمر لڑکی نے عدالت سے استدعا کی کہ وہ اپنے والد کا کیس خود لڑے گی۔عدالت نے اجازت دی اور وہ لڑکی کیس جیت گئی۔ پاکستان کی اس بہادر بیٹی نے نہ صرف اپنے والد کو رہا کرایا بلکہ ڈکٹیٹر شپ کو عدالت سے غیر آئینی قرار دلوا کر پاکستان کی آئینی تاریخ میں ایک عظیم کارنامہ انجام دیا۔اسی کارنامے کی وجہ سے ذوالفقار علی بھٹو کو سول مارشل لا ختم کرنا پڑا اور ملک کا آئین فوری طور پر تشکیل دیا گیا۔اس لڑکی کا نام عاصمہ جہانگیر تھا! یہ پاکستان میں ملک دشمنی، غداری اور اسلام مخالف ایک ایسا استعارہ بن چکی ہے جسے گالی دینا گویا ایک روایت ہے۔1983 میں تیرہ برس کی صفیہ بی بی سے زیادتی ہوئی اور وہ حاملہ ہوگئی۔صفیہ بی بی کو عدالت نے جیل بھیج کر اس پر جرمانہ عائد کر دیا کیونکہ وہ اپنے ساتھ ہونیوالی زیادتی کے گواہ نہیں لا پائی تھی اور ملزمان نے ثابت کر دیا تھا کہ صفیہ بی بی نے اپنی رضامندی سے یہ گناہ کیا۔ عاصمہ جہانگیر نے یہ کیس لڑا اور مظلوم صفیہ کو بچا لیا۔ ضیاع الحق کے اس دور میں عاصمہ جہانگیر نے ایک احتجاجی ریلی بھی نکالی جس پر پولیس تشدد پاکستان کی تاریخ کا افسوس ناک باب ہے۔

1993 میں 14 برس کے سلامت مسیح کو مذہب کی توہین کے جرم میں سزائے موت ہوگئی۔ایسے حساس کیس کو کون لڑتا۔اس موقع پر عاصمہ جہانگیر آگے آئی اور اس نے سلامت مسیح کے حق میں ایسے دلائل دیئے کہ عدالت کو ماننا پڑا کہ سزائے موت کا فیصلہ غلط تھا اور کچھ شر پسندوں نے مذہب کا نام استعمال کر کے ننھے بچے کو پھنسایا۔کیا آپ جانتے ہیں کہ ایک وقت تھا جب اس وقت مروجہ قانون کے مطابق پاکستان میں کوئی عورت اپنی مرضی سے شادی نہیں کر سکتی تھی؟ پاکستان کا آئین یہ کہتا تھا کہ عورت کی شادی کے لیے اس کی مرضی ہو یا نہ ہو سرپرستوں کی مرضی لازمی ہے۔ عاصمہ جہانگیر نے عدالت سے پاکستان کی عورت کو اس کا آئینی و مذہبی حق دلایا کہ وہ اپنی مرضی سے کہیں بھی شادی کر سکتی ہے۔عاصمہ جہانگیر کی شخصیت کا اگر اندازہ کرنا ہو تو اس کی بے نظیر بھٹو سے مثالی دوستی اور مثالی مخالفت قابل ذکر ہے۔ بے نظیر بھٹو اور عاصمہ جہانگیر بچپن کی سہیلیاں تھیں مگر ہر دور میں عاصمہ جہانگیر نے بے نظیر بھٹو کی سیاسی مخالفت کی۔ پاکستان میں عورتوں اور اقلیتوں کے لیے لڑنے والی اس عورت کا معیار بہت عجیب تھا۔ کچھ عرصہ قبل ٹم سبسٹن کو انٹرویو دیتے ہوئے مذہبی انتہا پسندی کی بدترین مخالف عاصمہ جہانگیر نے کہا کہ اگر طالبان کا بھی ماورائے عدالت قتل ہوا تو وہ طالبان کے حق میں آواز اٹھائے گی! کیا کوئی عورت تصور کر سکتی ہے کہ سڑک پر اس کے ملک کے محافظ اس کے کپڑے پھاڑیں اور اور وہ بے بسی سے اپنے تن پر چادر ڈالنے کے لیے ادھر ادھر دیکھتی پھرے؟ عاصمہ جہانگیر پر یہ وقت بھی گزرا ہے۔ یہ لڑکی جب ٹین ایجر تھی تو ایوب خان اور یحییٰ خان کے خلاف لڑی، نوجوان ہوئی تو ذوالفقار علی بھٹو کے غلط اقدامات کے خلاف آواز اُٹھائی۔ یہ ضیاع الحق کے خلاف جمہوریت پسندوں کی ننھی ہیروئن کہلاتی تھی۔ یہ اپنی بہترین سہیلی بے نظیر بھٹو سے لڑی، اس نے نواز شریف کے اقدامات کو چیلنج کیا اور یہ پرویز مشرف کے لیے سوہانِ رُوح بن گئی۔ یہ عورت کسی کی نہیں تھی! اس کے اپنے اصول تھے اور یہ ان کے آگے کسی کی نہیں سنتی تھی۔ یہ پاکستان کی بہادر عورت تھی۔ اس سے اختلاف کیا جا سکتا تھا مگر اس کو غلط ثابت کرنا آسان نہیں تھا۔اس کو پندرہ کے قریب ایوارڈز ملے۔ پاکستان کے مذہبی انتہا پسندوں کے لئے وہ زلزلہ اور طوفان سے کم نہ تھی۔ بے باک اور نڈر شیر کی مانند حق پر لڑنے والی عورت تھی۔انڈیا کا بھی دورہ یو این اور کی نمائندہ رپورٹر بنی۔سری لنکا میں جب حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہوئی تو اس کے خلاف بھی آواز اُٹھائی۔ پاکستان میں عورت پر ظلم کے خلاف ایک تیغ براں تھی۔اس کے سامنے جج بھی گونگے ہو جاتے تھے۔ وہ دلائل کے تیروں سے بڑے بڑے وکلاء کا سینہ چھلنی کر کے رکھ دیتی تھی۔اس نے کبھی بھی جھوٹ کی پرواہ نہ کی تھی۔اس کے مرنے کے بعد اسے پاکستان کا سن سے بڑا سول ایوارڈ نشان امتیاز دیا گیا۔ جو صدر ممنون حسین نے ۲۳ مارچ ۲۰۱۸ کو دیا جو کہ آپ کی بیٹی نے وصول کیا۔آپ نے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں وارث چھوڑے ہیں۔آپ کو کئی تنظیموں اور ممالک کی طرف سے تقریباً ۱۵، ایوارڈ ملے۔ایک حوا کی بیٹی نے کئی آدم کے بیٹوں کو بھگایا ہے۔صمہ کے سامنے نہ کوئی وڈیرا اور نہ ظالم آیا ہے۔

رشحاتِ ربانی

نعیم اختر ربانی

جس زمانے میں سے ہم گزر رہے ہیں یہاں مالی وسائل کی بہتات ہے۔نعمتوں کی فراوانی ہے۔سہولتوں اور آسائشوں کا دور دورہ ہے۔ ہر جانب خوشحالی اور چکا چوند روشنی کی قطاریں ہیں۔خوشی کے حصول کے مالی ذرائع بھی ہر فرد کی دسترس میں ہیں۔ہجر و وصال کے قصے ختم ہو چکے ہیں۔ دنیا سمٹ کر آپ کے ہاتھوں کے درمیان موجود ہے۔میلوں دور بیٹھے شخص سے ملاقات کر سکتے ہیں، اپنے دل کا حال کہہ سکتے ہیں اور وہاں سے بھی تسلی بخش معلومات موصول کر سکتے ہیں۔ جہاں ہم آسائشوں اور آسانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں وہیں ہمیں اپنی چار دیواریوں میں پرورش پاتی ہوئی نوجوان نسل کی فکری، عملی، اعتقادی اور معاشرتی زندگی کی کج رویاں ستاتی ہیں۔ والدین، نوجوان اولاد کے بہتر مستقبل اور اچھی ایمانی زندگی کے بارے میں فکر مند دکھائی دیتے ہیں اور خود نوجوان بھی اسی بھیڑ میں حیراں و سرگرداں کھڑے ہیں کہ کا طرف کو رخ کیا جائے؟ تا کہ آسائشوں کے ساتھ ساتھ پرسکون زندگی تک رسائی ہو۔کس راستے کا انتخاب کیا جائے؟ کہ فتنوں کے بچھائے گئے جال سے چھٹکارا نصیب ہو۔کس پگڈنڈی کو گزرگاہ بنایا جائے؟ تا کہ راستے پر پھیلے ہوئے رہزنوں سے حفاظت ہو اور اردگرد نمو پاتے ہوئے دیگر کانٹوں سے خلاصی ہو۔لیکن ہر نوجوان ان حسرتوں پر فقط آنسو ہی بہا سکتا ہے۔ یہ ایسی تمنائیں ہیں جن کی تکمیل کی امید رکھنا بھی کارِ عبث معلوم ہوتا ہے۔اس مشاہداتی تجزیے کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے؟ کہ ہر نوجوان حسرتوں کی پوٹلی لیے در بدر پھر رہا ہے مگر کہیں کوئی آستانہ ایسا میسر نہیں جہاں سے اپنے دامن کو بھر لے۔کوئی سخی ان حسرتوں کی تکمیل کی خیرات دینے کو تیار نہیں اور کوئی دربار ان تمناؤں کو پورا کرنے کا دعویٰ بھی نہیں کر رہا۔اس قحط کی وجہ کو بالتفصیل جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ علم ہونے کے بعد آپ اس کی تلافی کی کوئی ممکنہ صورت اختیار کرتے ہوئے اپنی حسرتوں کو ادھورا چھوڑنے پر راضی نہ ہوں گے۔آپ اپنے گھروں میں پرورش پانے والے بچوں کا جائزہ لیں کہ والدین ان کی تربیت کے دوران کیسے لالچی جملوں سے نوازتے ہیں؟ بچہ جب سکول جاتا ہے تو اساتذہ بھی اس جیسی تعلیم کی باتیں کرتے ہیں اور دیگر معاشرے کے معزز حضرات بھی یہی کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ اپنے کیریئر کو سنوار لو۔اپنے مستقبل کی فکر کرو اور اپنی آئندہ کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنا لو۔ان جملوں سے مراد صرف معاشی استحکام ہوتا ہے اور نوجوان جب یہ سنتا ہے تو اپنے ذہن کے کسی کونے میں یہ بات بٹھا لیتا ہے کہ پیسے کی ریل پیل ہی میرے بہتر مستقبل کی ضمانت ہے۔ میری بھری ہوئی تجوریاں میرے سکون کے حصول کا بہترین ذریعہ ہیں لیکن جب اس کیریئرازم کا شکار فرد اپنے معاش اور روپے کے چکر میں افرادِ معاشرہ سے دور چلا جاتا ہے۔ بہن بھائیوں، دوست احباب اور اہل وعیال سے کٹ جاتا ہے۔ پھر اسے محسوس ہوتا ہے کہ غلط راستے کے انتخاب نے اسے خونی رشتوں سے یوں الگ کر دیا جیسے ایک روٹی کا ٹکڑا مچھلی کو پانی سے الگ کر دیتا ہے جس کے سرے کے ساتھ بندھی ہوئی ڈور شکاری کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ یہ پانی مچھلی کی زندگی اور راحتِ جاں کے لیے از حد ضروری تھا لیکن غلط انتخاب نے (جو اگرچہ فی الحقیقت درست انتخاب تھا) اس کی زندگی ہی چھین لی۔ بعینہٖ نوجوانوں کے ساتھ کھیل کھیلا جا رہا ہے کہ وہ اس کیریئر کے سراب کے پیچھے لگ کر اپنی حقیقی متاعِ زیست اور روحِ جاں تک کھو دیتے ہیں مگر احساسِ زیاں کے اظہار تک اس قدر گردابوں میں گھرا ہوا ہوتا ہے کہ سنبھلنے کا امکان نہیں رہتا۔اسی خدشے کو دور کرنے اور اس زیاں سے دور رہنے کی نصیحت حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو کی تھی قرآن مجید میں اسے یوں ذکر کر کیا گیا کہ لوگوں سے نظروں کو نہ چرانا۔ (لقمان:18)

اس کیریئرازم کے شکار نوجوان دوسری بڑی برائی سے دوچار ہوتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایسے متاثرین اپنی زندگی میں اعتدال، توازن، میانہ روی اور وسعتِ ظرفی سے محروم ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی نگاہوں کے سامنے فقط پیسہ کی منزل اور روپے کی قدر ڈھیر ہوتا ہے۔ اپنے دامن کو اس کے ایک ایک ذرے میں بھرنا چاہتے ہیں۔ان کا خیال ہوتا ہے کہ ہم اس کے حصول کے بعد کوئی جاودانی روپ دھار لیں گے اور حیاتِ عارضی سے حیاتِ ابدی کی کوئی خفیف شکل مستعار مل جائے گی۔لیکن سارے قصے میں نوجوانوں کے قصور کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی دستکاری بھی ہوتی ہے جو اس کی تربیت میں پیش پیش رہے۔وہ والدین جن کے دستِ شفقت کے سائے میں پروان چڑھا۔

وہ معلم جن کی رہنمائی نے اسے راستے کے رخ کے ساتھ ساتھ نشیب و فراز سے بھی روشناس کروایا اور وہ سرپرست جن کی انگلی پکڑ کر منزلوں کے تعین میں مشاورت کرتا رہا۔ یہ سب ذمہ دار ہیں کہ انہوں نے اسے سراب کے پیچھے لگا کر ابدی اور حقیقی سکون سے محروم رکھا۔ انہوں نے اسے صرف یہ دکھایا کہ بہتر معاش کے حصول کے بعد ہر ڈگمگاتی چیز۔

ابلاغ ہی سے معلوم ہوا کہ
بعض لوگوں کو ''غلطی لگتی'' بھی ہے

اور بڑے زوروں سے لگتی ہے۔ پچھلے سنیچر کو ایک ٹی وی چینل سے ''علم وحکمت'' کی باتیں سنتے ہوئے یہ جان کر حد درجہ حیرت ہوئی کہ ہمارے عالم و فاضل برادرِ بزرگ علّامہ جاوید احمد غامدی کو بھی ''غلطی لگی'' اور اچھی خاصی لگی۔ اس کے باوجود یہ لوگ اپنی غلط اُردو دُرست کرنے کی فکر نہیں کرتے۔ غلط فہمی ہی کی طرح غلط گوئی، غلط بیانی اور غلط بخشی بھی ہے۔ ''غلط بخشی'' بے موقع سخاوت دکھانے کو کہتے ہیں۔ نہیں معلوم کہ صحیح ہے یا غلط، مگر ایک قصہ مشہور ہے کہ تیمور لنگ ایران فتح کرتے ہوئے جب شیراز پہنچا تو اُس نے حافظؔ شیرازی کو اپنے دربار میں طلب کیا۔ تیمور کو حافظؔ کے بہت سے اشعار زبانی یاد تھے۔ حافظؔ شیرازی خاصے خوش پوش تھے۔ اچھے سے اچھا لباس پہنا کرتے تھے۔ مگر تیمور کے دربار میں گئے تو معمولی کپڑے پہن کر گئے تاکہ بظاہر غریب نظر آئیں۔ جب وہ تیمور کے سامنے جا کر مودب کھڑے ہو گئے تو بادشاہ نے تیوریوں پر بل ڈال کر پوچھا: ''یہ شعر تمھارا ہے؟ اگر آں تُرکِ شیرازی بدست آرد دلِ ما را بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را'' (اگر وہ شیرازی تُرک مُراد ہے محبوب میرا دل اپنے ہاتھوں میں لے لے تو میں اُس کے سیاہ تل پر سمرقند و بخارا نچھاور کر دوں) تیمور کی زبان سے حافظؔ کو اپنا شعر سن کر خوش گوار حیرت ہوئی اور سر جھکا کر کہا: ''ہاں اے بادشاہ! یہ میرا ہی شعر ہے''۔ بادشاہ نے غصے بھری رعونت سے کہا:

''سمرقند کو ہم نے قیمتی جانیں گنوا کر بزورِ شمشیر حاصل کیا ہے۔ پھر دنیا بھر سے نوادرات لا کر اسے مزیّن کیا اور اُس کے حسن و جمال میں چار چاند لگائے۔ اِدھر تم ہو کہ اس عظیم شہر کو مفت میں شیراز کی ایک دو ٹکے کی چھوکری کو بخشے دے رہے ہو''۔ بادشاہ کا غیظ و غضب دیکھ کر حافظؔ پہلے تو بہت سٹپٹائے اور گھبرائے کہ آج تو بُرے پھنسے، اس شعر نے تو جان لے لینے میں کوئی کسر ہی نہیں چھوڑی۔ پھر ہمت کر کے اپنے ملبوس کی طرف اشارہ کیا اور کہا: ''اے امیرِ تاتار! انھی غلط بخشیوں نے تو اِس حال کو پہنچایا ہے''۔ ''این جواب بادشاہ را خوش آمد'' یعنی یہ جواب بادشاہ کو پسند آیا اور اُس نے بہت سا انعام واکرام دے کر حافظؔ کو رخصت کیا۔ مقروض کو مہلت دینے کا حکم تو تصریحاً قرآن مجید میں موجود ہے۔ ایک روایت کے مطابق صدقہ کا جہاں ایک گنا اجر ہے وہاں قرض کا اٹھارہ گنا اجر ملے گا۔ قرض میں کرنسی کی کم مانگی بہت بڑا عنصر ہے کہ قرض دیتے وقت کرنسی زیادہ قیمت کی تھی اور اب قرض لوٹاتے وقت کرنسی کی قدر کافی حد تک گر گئی ہے تو علماء نے اس عمل کو قرض خواہ کے حق میں احسان کے ضمرے میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ صاحب ثروت اور اہل خیر لوگوں کو قرض کی ادائیگی اور وصولی کے وقت اس طرح کے مقدمات پیش نہیں کرنے چاہییں تاکہ ان کے احسان کا اجر محفوظ رہے۔ بزرگ جسے قرض دیتے تھے پھر اس کی دیوار کے سائے میں بھی کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ قرآن مجید نے انفاق کے بعد تکلیف دینے اور احسان جتلانے سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ پس جسے بھی قرض دیا جائے اس کے ساتھ حتی الامکان احسان، نرمی، تعاون اور معاشی سرپرستی کا برادرانہ رویہ اختیار کیا جائے یعنی اس سے رقم کی واپسی کا تقاضا نہ کیا جائے۔

اسے لمبی سے لمبی مہلت دی جائے، یکمشت ممکن نہ ہو تو اقساط میں رقم وصول کر لی جائے، اقساط ساقط ہو جائیں تو سختی ہرگز نہ کی جائے، اس کا مقروض ہونا دیگر افراد کے سامنے پردہ خفا میں رکھا جائے۔

معاشرتی تقریبات اور میل جول میں اس کی پہلے سے بڑھ کر عزت و توقیر کی جائے، مقروض اگر مفلوک الحال ہو تو قرآن مجید میں اللہ تعالی نے حکم دیا ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے۔ اسلام کی معاشی اقدار دولت مند لوگوں کو علامہ محمد اقبالؒ کی زبانی یہ فکر دیتی ہیں کہ ''کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا''

معاشرے کے سفید پوش طبقات کو نشانہ بنا کر مصنوعی چمک سے بھری ہوئی بے انتہا اشتہار بازی کے ذریعے ان کا ذہنی اغوا کرنا اور معیار زندگی میں بڑھوتری کی خاطر قرض فراہم کر کے انہیں اپنا گاہک بنانا اور پھر ان سے سود در سود رقمیں وصول کرنا اور پھر ان کی بچی کھچی جائدادیں کرک کر کے اپنے

پیٹ کا ایندھن بھرنا دراصل سیکولرازم کی وہ استحصالی مہمات ہیں جن کے ذریعے وہ معاشرے میں بیوپارانہ ثقافت پروان چڑھا کر انسانوں کو درہم و دینار کا پجاری بناتا ہے۔اس طرح کے معاشرے سیکولرازم کے ذہنی غلام بنتے ہیں اور راتوں رات امیر تر بننے کی پرکشش فلمی کہانیاں نوجوان طبقے کو جرائم پیشہ بناڈالتی ہیں جس سے انسانی اقدار بالآخر حیوانی ذہنیت کا شکار ہوتی ہیں اور پھر عالمی اداروں میں قوموں کی بولیاں لگتی ہیں جس کا لازمی و منطقی نتیجہ انسانی خون کی ارزانی ہے۔سیکولرازم کے اسی راستے سے تشدد اور انتہا پسندی کے رویے سماج میں در آتے ہیں جنہیں بڑی چابکدستی سے صہیونی و بنیہ ذہنیت مذہب کے کھاتے میں ڈال دیتی ہے۔لیکن آخر کب تک؟؟؟اب سرمایادارانہ نظام کی جنم بھومی سے سود کے خلاف ہونے والے شدید ترین ردعمل نے ایک بار پھر انسان کو احکامات وحی کی طرف دھکیل دیا ہے۔انسان کو بہرحال تعلیمات انبیاء علیہم السلام کی طرف پلٹنا ہوگا کہ صرف یہی پناہ گاہ ہی کل انسانیت کی فلاح دارین کی ضامن ہے۔

غزل۔ بشیر بدر

ہمارا دل سویرے کا سنہرا جام ہو جائے
چراغوں کی طرح آنکھیں جلیں جب شام ہو جائے
میں خود بھی احتیاطا" اُس طرف سے کم گزرتا ہوں
کوئی معصوم کیوں میرے لیئے بدنام ہو جائے
عجب حالات تھے یوں دل کا سودا ہو گیا آخر
محبت کی حویلی جس طرح نیلام ہو جائے
مجھے معلوم ہے اُس کا ٹھکانہ پھر کہاں ہوگا
پرندہ آسماں چھونے میں جب ناکام ہو جائے
سمندر کے سفر میں اس طرح آواز دے مجھ کو
ہوائیں تیز ہوں اور کشتیوں میں شام ہو جائے
اُجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

ایڈمرل منصورالحق

پاکستان نیوی کا سربراہ، کرپٹ افسر

عبدالقدیر کوکب

پیارے دوستو اور فیملی ممبرز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ صبح بخیر۔

اس کی وردی پر میڈل دیکھو جیسے یہ سکندرِ اعظم ہو اور آدھی دنیا فتح کر کے آیا ہو.اب اس بدبخت کے کرتوت بھی پڑھ لو یہ ایڈمرل منصورالحق پاکستان نیوی کا سربراہ تھا، یہ 10 نومبر 1994ء سے یکم مئی 1997ء تک نیول چیف رہا۔منصورالحق پر ایک محتاط اندازے کے مطابق تقریباً 300 ارب روپے کی کرپشن کا الزام نیوی کے لیے خریدے گئے بحری جہاز، ہتھیار، آگسٹا آبدوزیں، نیوی اور نیشنل شپنگ کارپوریشن کے سکریپ بحری جہاز بیچنے کے دوران کمیشن اور کک بیکس لینے پر لگا۔اس وقت کی حکومت نے یکم مئی 1997ء کو اسے نوکری سے برخاست کر دیا اور اس کے خلاف تحقیقات شروع کرادیں جبکہ منصورالحق 1998ء میں ملک سے فرار ہوگیا اور یہ امریکی ریاست ٹیکساس کے شہر آسٹن میں پناہ گزین ہوگیا۔ملک میں اس کے خلاف مقدمات چلتے رہے، جنرل پرویز مشرف نے جب ''نیب'' بنائی تو یہ مقدمات نیب میں منتقل ہوگئے اور اتفاق سے اسی دوران امریکہ میں اینٹی کرپشن قوانین پاس ہوگئے، ان قوانین کے مطابق دنیا کے کسی بھی ملک کا کوئی سیاستدان، بیوروکریٹ یا کوئی تاجر کرپشن کے بعد فرار ہوکر امریکا آئے گا تو اسے نہ پناہ ملے گی اور نہ ہی رہائشی سہولتیں بلکہ یہ کرپٹ شخص امریکا میں گرفتار بھی ہوگا اور امریکی حکومت اس کے خلاف مقدمہ بھی چلائے گی۔نیب نے اس قانون کی روشنی میں امریکی حکومت کو خط لکھا اور امریکہ نے 17 اپریل 2001ء کو منصورالحق کو آسٹن سے گرفتار کر کے اسے جیل میں بند کیا اور اس کے خلاف مقدمہ شروع کر دیا گیا۔منصورالحق کو جیل میں عام قیدیوں کے ساتھ رکھا گیا تھا جہاں اسے قیدیوں کا لباس پہنایا گیا قیدیوں کے لیے مخصوص سلیپر دیئے گئے، عام چھوٹی سی بیرک میں رکھا گیا، عام مجرموں جیسا کھانا دیا گیا اور اسے ہتھکڑی پہنا کر عدالت لایا جاتا' یہ سلوک نازوں کا پلا منصورالحق برداشت نہ کرسکا اور اس نے امریکی حکومت کو لکھ کر دے دیا کہ ''مجھے پاکستان کے حوالے کر دیا جائے جہاں میں اپنے ملک میں مقدمات کا سامنا کروں گا'' امریکی جج نے یہ درخواست منظور کر لی۔یوں منصورالحق کو

ہتھکڑی لگا کر جہاز میں سوار کر دیا گیا نیز سفر کے دوران اس کے ہاتھ بھی سیٹ سے بندھے ہوئے تھے مگر جوں ہی یہ جہاز پاکستانی حدود میں داخل ہوا تو نہ صرف منصور الحق کے ہاتھ بھی کھول دیئے گئے بلکہ اسے وی آئی پی لاؤنج کے ذریعے ائیر پورٹ سے باہر لایا گیا اور نیوی کی شاندار گاڑی میں بٹھایا گیا، پولیس، ایف آئی اے اور نیب کے افسروں نے اسے سیلوٹ بھی کیا، پھر یہ سہالہ لایا گیا جہاں سہالہ کے ریسٹ ہاؤس کو سب جیل قرار دیا گیا اور منصور الحق کو اس ''جیل'' میں ''قید'' کر دیا گیا۔ منصور الحق کی ''جیل'' میں نہ صرف اے سی کی سہولت بھی تھی بلکہ اسے خانساماں بھی دیا گیا۔ بیگم صاحبہ اور دوسرے اہل خانہ کو ملاقات کی اجازت بھی تھی اور منصور الحق لان میں چہل قدمی بھی کر سکتا تھا۔ نیب اور ایف آئی اے کے دفتر نہیں جاتا تھا بلکہ تفتیشی ٹیمیں اس سے تفتیش بھی اس کے بیڈ روم میں ہی کرنے آتی تھی۔ مگر یہ بھی آن ریکارڈ ہے کہ تفتیش کرنے والی ٹیمیں آپ کیلئے تازہ پھل اور جوس ساتھ لیکر آتی تھیں۔ مزید ستم ظریفی دیکھئے کہ 300 ارب روپے کی کرپشن کا ملزم صرف 45 کروڑ 75 لاکھ واپس لے کر پلی بارگین کے نام پر رہا کر دیا گیا۔ 2012 میں اس کا ضبط شدہ گھر اور مرسیڈیز گاڑی کی مالیت 10 لاکھ ثابت کرتے ہوئے ایک لیفٹیننٹ کرنل کے جنبش قلم مبارک سے واپس ہدیہ تبریک کے طور پر اسے پیش کر دی گئیں۔ کہانی یہیں ختم نہیں ہو جاتی 2013 میں موصوف نے سندھ ہائی کورٹ میں اپیل کی کہ مجھے میرا ملٹری رینک بمع پینشن اور دیگر مراعات واپس کیا جائے جس پر معزز عدالت نے کمال انصاف پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسکو فور سٹار رینک بمع پینشن اور دیگر مراعات مرحمت فرما دیا۔ یہ ہیں میرے وطن کے بہادر سپوت جن کے سینے تمغات سے سجے ہوئے ہیں کچھ بھی ہو کوئی پرواہ نہیں لیکن جو ظلم تم نے اس قوم پر کیا ہے ہم تمہارا یہ بھیانک چہرہ قوم کو دکھاتے رہیں گے۔

پنجاب کے انگریز گورنر مائیکل ایڈ وائر

Michael Dwyer کی سبکدوشی کے بعد انگلستان رُخصتی کے موقع پر موجودہ پاکستانی پنجاب کے علماء، پیرانِ عظام اور معروف سجادہ نشینوں کی جانب سے پیش کیا گیا سپاس نامہ جس کی غلامانہ زبان پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہی وہ ظالم گورنر تھا جس کے دور میں جلیانوالہ کا خونریز واقعہ پیش آیا تھا اور مزید یہ کہ گوجرانوالہ میں عوام پر برٹش رائل ائرفورس کے تین ہوائی جہازوں سے فائرنگ اور بمباری بھی کی گئی تھی۔

سپاس نامہ

بحضور نواب ہز آنرسر مائیکل فرانسس ایڈوائر جی سی آئی ای کے سی ایس گورنر پنجاب! حضور والہ ہم خادم الفقراء، سجادہ نشینان وعلماء مع متعلقین شرکا حاضر الوقت مغربی حصہ پنجاب نہایت ادب وعجز وانکسار سے یہ ایڈریس لے کر حکومت عالیہ میں حاضر ہوئے ہیں اور ہمیں یقین کامل ہے کہ وہ حضور انور جن کی ذات عالی صفات میں قدرت نے دل جوئی، ذرّہ نوازی اور انصاف پسندی کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے ہم خاکساران باصفا کے اظہار دل کو توجہ سے سماعت فرما کر ہمارے کلاہ افتخار کو چار چند لگا دیں گے۔

حضور انور! جس وقت ہم اپنی آزادیوں کی طرف خیال کرتے ہیں جو ہمیں سلطنت برطانیہ کے طفیل حاصل ہوئی ہیں۔ پھر جب ہم بے نظیر برطانوی انصاف کو دیکھتے ہیں جس کی حکومت میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں تو پھر ہر احسان احسان ہی دکھائی دے رہا ہے۔ بہشت آں جا کہ آزارے بنا شد کسے را با کسے کارے بنا شد'' ہم سچ عرض کرتے ہیں کہ جو برکات ہمیں اس سلطنت کی بدولت حاصل ہوئی ہیں گر ہمیں عمر خضر بھی نصیب ہو تو ہم ان احسانات کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ ہندوستان کے لئے سلطنت برطانیہ ابر رحمت کی طرح نازل ہوئی اور ہمارے ایک بزرگ نے جس نے پہلے زمانے کی خانہ جنگی اور بدنظمیاں اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں اس سلطنت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے ہوئیں بدنظمیاں سب دور انگریزی عمل آیا۔ بجا آیا، بہ استحقاق آیا، برمحل آیا'' ہم حضور سے درخواست کرتے ہیں جب حضور وطن کو واپس تشریف لے جائیں تو اس نامور تاجدار ہندوستان کو یقین دلائیں کہ چاہے کیسا ہی انقلاب کیوں نہ ہو ہماری وفاداری میں سرِ مو فرق نہیں آئے گا اور ہمیں یقین ہے کہ ہم اور ہمارے پیروان اور مریدان فوجی وغیرہ جن پر سرکار برطانیہ کے بے شمار احسانات ہیں ہمیشہ سرکار کے حلقہ بگوش اور جان نثار رہیں گے۔''

''ہم کو ان کوتاہ اندیش دشمنان ملک (یہ جان نثاران جلیانوالہ باغ کی طرف اشارہ ہے) پر بھی سخت افسوس ہے جن کی سازش سے تمام ملک میں بدامنی پھیلی ہے اور جنہوں نے اپنی حرکات ناشائستہ سے پنجاب کے نیک نام پر دھبہ لگایا ہے۔ مقابلہ آخر مقابلہ ہی ہے اور کبھی خاموش نہیں رہ سکتا۔ یہ حضور والا ہی کا زبردست ہاتھ تھا جس نے بے چینی اور بدامنی کا اپنے حسن تدبر سے فی الفور قلع قمع کر دیا۔ ان بدبختوں سے از راہ بدبختی فاش غلطیاں

سرزد ہوئیں لیکن حضور ابر رحمت ہیں اور ابر رحمت شور ادر وزرخیز زمین دونوں پر یکساں برستا ہے۔ ہم حضور کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم ان گمراہ لوگوں کی مجنونانہ جاہلانہ حرکات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیوں کہ کہ ہمارے قرآن کریم میں یہی تلقین کی گئی ہے۔ لا تفسدو افی الارض۔ یعنی دنیا میں فساد اور بدامنی مت پیدا کرو۔''

''حضور انور! اگرچہ آپ کی مفارقت کا ہمیں کمال رنج ہے۔''

سرغم سے کھنچے کیوں نہ سردار ہمارا لو ہم سے چھٹا جاتا ہے سردار ہمارا

''لیکن ساتھ ہی ہماری خوش نصیبی ہے کہ حضور کے جانشین سر ایڈورڈ میکلیگن بالقابہم جن کے نام نامی سے پنجاب کا بچہ بچہ واقف ہے۔ جن کا حسن اخلاق رعایا نوازی میں شہرہ آفاق ہے۔ جو ہمارے لیے حضور کے پورے نعم البدل ہیں۔ ہم ان کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں اور ان کی خدمت میں یقین دلاتے ہیں کہ مثل سابق اپنی عقیدت و وفاداری کا ثبوت دیتے رہیں گے۔'' حضور! وطن کو تشریف لے جانے والے ہیں۔ ہم دعا گویان جناب باری میں دعا گو ہیں کہ حضور مع لیڈی و جمیع متعلقین مع الخیر اپنے پیارے وطن پہنچیں۔ تا دیر سلامت رہیں اور وہاں جا کر ہم کو دل سے نہ اُتاریں

این دعا از ما و از جملہ جہاں آمین بعد المستدعیان مخدوم حسن بخش قریشی، مخدوم غلام قاسم سجادہ نشین خانقاہ، مخدوم شیخ محمد نواب حسن، مخدوم سید حسن علی، سید ریاض الدین شاہ، پیر غلام عباس شاہ، دیوان سید محمد پاک پٹن، مخدوم صدرالدین شاہ ملتان، میاں نور احمد احمد سجادہ نشین، پیر محمد رشید، شیخ شہاب الدین، سید محمد حسین شاہ شیر گڑھ ضلع منٹگمری، مخدوم شیخ محمد راجو ملتان، دیوان محمد غوث، محمد مہر شاہ جلال پور، صاحبزادہ محمد سعد اللہ سیال شریف، سید قطب شاہ ملتان، پیر چراغ علی ملتان، پیر ناصر شاہ، شاہ پور، مولوی غلام محمد خادم گولڑہ شریف، سید فدا حسین کیمبل پور، غلام قاسم شاہ، شیر شاہ ملتان، پیر چراغ شاہ کوٹ سدھانہ جھنگ، محبوب عالم خادم گولڑہ شریف، منشی حیات محمد گولڑہ شریف، برہان الدین خادم گولڑہ شریف اسی انگریز حاکم کو حریت پسند محمد اودھم سنگھ نے جلیانوالہ خون ریزی میں انگلینڈ جا کر قتل کیا تھا۔ سماج میں سرمایہ دارانہ نظام کی فنکاری سوچیے۔ دھرتی ماں کی حفاظت کرنے والے ولن اور انگریزوں کے کاسہ لیس ہمارے ہیرو بنا دیئے گئے... آج بھی انہی پیروں غداروں کی اولاد ہم پر حاکم ہے اور ہم خوش باش ہیں۔ افسوس... میں اسی سماج کا حصہ ہوں۔

نیاز جیراجپوری

رُت بسنتی آگئی

آکے گل بوٹوں کے گہنے دھرتی کو پہنا گئی
رُت بسنتی آگئی

تتلیاں ہیں اُڑتی پر ست رنگی پھیلائے ہُوئے
کلیوں پر منڈرا رہے ہیں بھنورے للچائے ہُوئے
جاگتی آنکھوں میں سپنے بُننے کی رُت آگئی
رُت بسنتی آگئی

بَور کی خوشبو سے مہکے ہیں باغ آموں کے
اوڑھ لی پیلی چُنریا سب کھیتوں نے سرسوں کے
کھلنے کو بیکل کلی بھی اوڑھنی سرکا گئی
رُت بسنتی آگئی

دِل کو آنکھوں میں دھڑکتے رہنے کا ڈھنگ آگیا
خامشی کو بھی بہت کچھ کہنے کا ڈھنگ آگیا
یاد پردیسی سجن کی سجنی کو تڑپا گئی
رُت بسنتی آگئی

دُور اب اپنے کناروں سے ہے مدماتی ندی
سمٹی اپنے آپ میں اِٹھلاتی بل کھاتی ندی
بات اُبھرنے ڈوبنے والی سمجھ میں آگئی
رُت بسنتی آگئی

چارپائی آگئی دالانوں سے انگنائی میں
رعب اب باقی نہیں ہے جاڑے کی ٹھکرائی میں
اگنی پر بیٹھ کر گوریّا یہ سمجھا گئی
رُت بسنتی آگئی

رنگ بدلا انگ انگ کا چال بہکی بہکی ہے
گدرایا گدرایا یوّون کایا مہکی مہکی ہے
لہرائیں تن من، پھاگن کی اِن پہ مستی چھا گئی
رُت بسنتی آگئی

اے نیازؔ آنکھوں میں ہے تصویر جیراجپور کی
فخرِ ہندوستان کی اور اعظم گڑھ کے نور کی
یادیں میرے گاؤں کی سنگ اپنے لیکر آگئی
رُت بسنتی آگئی

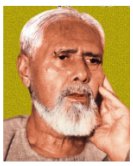

قدرت اللہ شہاب کی وفات سے ایک دن پہلے کا دلچسپ واقعہ

عبدالحمید حمیدی۔کینیڈا

ڈاکٹروں کے مشورے پر قدرت اللہ شہاب روزانہ صبح سیر پر جاتے تھے۔ایک روز جب وہ ساڑھے گیارہ بجے گھر واپس پہنچے تو چہرہ سرخ تھا اور آنکھوں میں سنبھالے کی چمک تھی جیسے بہت تیز مے پی رکھی ہو اور قدموں کو ڈگمگانے سے روک کر چل رہے ہوں۔ہونٹوں پر مسکراہٹ کے بجائے انبساط کی اُبھرتی ہوئی سی ہنسی تھی۔ایک مٹھی بند تھی اور دوسرا ہاتھ دل پر رکھا ہوا تھا۔بہن محمودہ بولیں ''بھائی جان دودھ لاؤں؟'' شہاب صاحب نے وجد میں آکر سر ہلا کر کہا ''ضرور ضرور'' کہنے لگے آج ایک انعام ملا ہے۔میں نے کہا انعام تو آپ کو زندگی بھر ملتے رہے ہیں۔ یہ کونسی نئی بات ہے۔کہنے لگے۔یہ انعام سب سے بڑا سب سے قیمتی اور سب سے آخری ہے اس کے لیے بڑے سال انتظار کیا۔بڑی دیواروں پر نشان لگائے بڑی منتیں مانی لیکن آج بغیر کوشش کے مل گیا۔میں نے کہا۔ایسی کونسی دولت ہاتھ آ گئی ہے جو خوشی کا یہ دھارا سارے وجود سے بہتا چلا جا رہا ہے۔کہنے لگے کہ آج جو میں سیر کرنے نکلا تو راستے میں تین مرتبہ ٹھٹھکا۔پاؤں کچھ ٹھیک نہیں پڑتے تھے۔دل کا چلن بھی اچھا نہیں تھا۔سوچا واپس لوٹ جاؤں لیکن واپس بھی نہ ہو سکا۔اپنی منزل تک پہنچ ہی گیا۔نیول ہیڈکوارٹرز کے گھروں کے پاس جس دیوار سے سہارا لے کر کھڑا ہوا کرتا ہوں اس کے قریب چھوٹے چھوٹے بچے پٹھوگرم کھیل رہے تھے۔تماشا کیا۔آنکھیں بند کر کے واپس لوٹنے کی ہمت مجتمع کرنے لگا۔قریب سے چھوٹی منی سی آواز آئی بابا! بابا! میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو ایک چھوٹا سا بچہ نیلی نیکر اور سفید قمیض پہنے میرے قریب کھڑا تھا۔بڑی سنجیدگی سے کہنے لگا۔بابا آٹا لو گے کہ پیسہ؟ میں نے اس کے سر پر پیار دے کر کہا دونوں بابا دونوں! دونوں لوں گا!! میری یہ بات سن کر وہ اپنے گھر کی طرف بھاگ گیا۔بڑی دیر تک دیوار سے ٹیک لگائے انتظار کرتا رہا۔واپس آکر بولا بابا! امی کہتی ہیں آٹا واٹا ہمارے پاس کوئی نہیں یہ اٹھنی لے لو اور جاؤ یہاں سے۔معاف کرو میں نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس سے اٹھنی لے لی اور اس کے سر پر پیار دے کر وہاں سے چلا آیا۔پھر شہاب صاحب نے اپنی بند مٹھی کھولی اور چمکتی ہوئی اٹھنی مجھے دکھا کر کہا میرے پاس ایک جھولی ضرور تھی لیکن کئی سال سے خالی تھی۔آج اس میں خیر پڑ گئی اور میں سراسر لبریز ہو گیا۔اللہ کی مہربانی کے بھی کیا روپ ہیں۔ایک چھوٹے سے بچے کو داتا بنا کر بھیج دیتا ہے اور سوالی کا سوال پورا کر دیتا ہے۔

شہاب صاحب اس واقعیہ سے اتنے مسرور تھے کہ ان کے پاؤں زمین پر نہ پڑتے تھے۔بار بار اٹھنی جیب سے نکال کر دیکھتے اور بار بار اسے احتیاط سے جیب میں ڈال کر اوپر رومال ٹھونس لیتے۔اگلے روز ان کی روح پرواز کر گئی۔۔انا للہ وانا الیہ راجعون...بابا صاحب از اشفاق احمد (مشمولہ ذکرِ شہاب)

منقول

سرِ بازار سجاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
گر قلم بیچ کے کھاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
جھوٹ کے پاؤں بناتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
سچ ہی جب لکھ نہیں پاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
ظلم انصاف بتاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
راہ سیدھی نہ دکھاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
شاہ کے ناز اُٹھاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
وقت کی دھونس میں آتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
خضر، رہزن کو بتاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
دیئے راہوں کے بجھاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
آنکھ دیکھا نہ دکھاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
خونِ ناحق جو چھپاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
بات بے وجہ بڑھاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
نفرتیں دل میں جگاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
حق کو باطل سے ملاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
معنی مرضی کے سُجھاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
کفر مجبوری بتاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
حکم اللہ کے بھلاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
خود کو نظروں سے گراتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
سر قلم کا جو جھکاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
خود کو لفظوں میں نچاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو
بس خریدار رجھاتے ہو تو کیوں لکھتے ہو

سوزِ حیات کا شاعر

تمثیلہ لطیف

''سوزِ حیات'' امجد مرزا امجد کی شاعری کا مجموعہ ہے جسے سویرا اکیڈمی نے لندن سے شائع کیا ہے۔ سال، اشاعت ۲۰۱۷ء درج ہے۔ ابتدا میں ڈاکٹر منور احمد کنڈے اور مظفر احمد مظفر کے مضامین ہیں جب کہ ''سرگوشی'' کے عنوان سے شاعر کا دیباچہ ہے۔ مجموعی طور پر ایک سو بارہ فن پارے ہیں جس میں حمد، نعت، نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔ حمد اور نعت میں انہوں نے سادہ اور آسان الفاظ میں اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ وہ وطن کی محبت سے سرشار ہیں اور انہوں نے اپنی محبت کو خوبی سے صفحہ قرطاس پر مرتسم کیا ہے۔

آزاد ہیں ، خود مختار ہیں ہم ہے یہ قائدِ اعظم کا احساں
ہے سبز ہلالی پرچم سے ہر آن ہماری آن عیاں

امجد مرزا امجد کی شاعری کے موضوعات کا جائزہ لیا جائے تو یہ علم ہوتا ہے کہ انہوں نے عصرِ حاضر کے موضوعات کو خوش اسلوبی سے شاعری کا جامہ پہنایا ہے۔ چونکہ وہ محبت کے شاعر ہیں اس لیے ان کی شاعری میں یہ رنگ آسانی سے تلاش کیا جا سکتا ہے۔ وہ غیر ضروری خیالات کو اپنی شاعری میں جگہ نہیں دیتے۔ انہیں انسانی زندگی سے بے حد پیار ہے اور وہ انسانی زندگی کو سسکتے اور تڑپتے دیکھ کر بے سکون ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کے نام لکھی جانے والی ان کی نظم انہی خیالات کی عکاس ہے:

میری غزل کی ردیف جو ہے میری غزل کا جو قافیہ ہے
میرے دل پر یہی کھُلا ہے کہ اپنی بیٹی وہ عافیہ ہے
ذلتوں کے سمندر میں کھا رہی ہیں بلائیں ہم کو

امجد مرزا امجد نے جو ادب تخلیق کیا ہے وہ انسانوں کے اس طبقے کے لیے ہے جن میں وہ خود زیست کرتے ہیں۔ جن کا درد وہ خود سمجھتے ہیں۔ وہ قافیہ سے قافیہ نہیں ملاتے بلکہ خونِ جگر سے مصرعے تخلیق کرتے ہیں۔ وہ جہاں معاشرتی دباؤ اور گھٹن سے شاکی ہیں وہیں وہ محبتوں کے سفیر بھی ہیں۔ وہ حرف حرف جوڑ کر لفظوں کے ساغر بناتے ہیں اس لحاظ سے وہ اپنی ذات میں کل کائنات ہیں۔ امجد مرزا امجد کی غزل روکھی پھیکی غزل نہیں ہے بلکہ وہ ویرانیوں کو ختم کر کے پھول کھلا سکتی ہے۔ وہ محبوب کے ہجر و فراق اور وصلِ شب کا تذکرہ بھی کرتے ہیں مگر یہ بے تکا نہیں بلکہ اس انداز سے کرتے ہیں کہ دل کو بھاتا ہے اور پھر قاری انسان کی بے بضاعتی اور مجبوریوں میں گم سم سا ہو جاتا ہے:

گنوا بیٹھا میں آنکھ کے قیمتی موتی تم آ جاتے خواب میں یہ عمر بھر سوتی

''معراجِ محبت'' کے عنوان سے جو نظم انہوں نے لکھی ہے، وہ سادگی اور سلاست کی عمدہ مثال ہے۔ اس نظم میں جہاں کالقِ کائنات سے محبت کا اشارہ ملتا ہے وہیں آقا پاکؐ کی تعریف بھی کی گئی ہے۔ اس نظم کا ایک ایک شعر قاری کو بھاتا ہے:

محبت ہی کا جذبہ ہے جو خالق سے ملاتا ہے
محبت ہی کے جذبے سے بشر معراج پاتا ہے
چراغِ معرفت دل میں جلاتی ہے محبت ہی
بچھڑ جائیں تو آپس میں ملاتی ہے محبت ہی
محبت گر نہ ہو دل میں، وہ انساں ہو نہیں سکتا
محبت کے بِنا ایماں بھی ایماں ہو نہیں سکتا

اچھا شعر وہی ہوتا ہے جو سیدھا دل میں اتر جائے۔ اچھے اور عمدہ شعر کے فنی لوازمات میں تخیل کی بلند پروازی، اندازِ بیاں، الفاظ کی مرصع سازی، کلام کی پختگی، مبنی بر سچ، تشبیہ و استعارہ، سادگی، سلاست، رواں بیانیہ، سوز و گداز، رمز و کنایہ، اور عمدہ مضامین کے ساتھ ساتھ شاعر کے مشاہدے کا گہرا ہونا بھی شامل ہے۔ امجد مرزا امجد کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے تو اچھے شعر کی یہ خوبیاں نظر آتی ہیں۔

امجد مرزا نے اپنی شاعری میں نُدرت اور جدت کے پھول کھلائے ہیں۔ انہوں نے روایتی مضامین کو بھی اس خوبی سے باندھا ہے کہ جدیدیت کا اثر غالب نظر آتا ہے۔ ان کی شاعری مضمون آفرینی سے لبریز ہے اسی لیے بوریت یا اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ ان کی ہنرمندی اوت سلیقہ شعاری ہیکہ تکرار کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ روایتی عشق کا تذکرہ تقریباً ہر شاعر کے ہاں دیکھا جا سکتا ہے لیکن اس کو بہت کم شاعروں نے نبھایا ہے۔ امجد مرزا امجد ان میں سے ایک ہیں۔ ''سوزِ حیات'' کو اس حوالے سے دیکھا جائے تو یہ اسمِ با مسمّٰی دیکھائی دیتی ہے۔ اہلِ دل کی آتشِ شوق کو یہ مزید لو دیتی ہے۔

ہم نے دیکھے جو دن میں تارے تھے
ان کے ماتھے کا وہ پسینہ تھا
حسن کی سرکار نے بخشا جو دردِ لا دوا

قریہ قریہ پھرتے ہیں اُس درد کے مارے ہوئے
یہ کبھی رانجھا کبھی مجنوں کبھی فرہاد ہیں
چھانتے ہیں خاک صحراؤں کی دھتکارے ہوئے
دل میں ہے ایک محشرِ ہلچل مچی ہوئی
سجدے میں گر رہے ہیں عبادت تو دیکھئے
زلفوں کو بار بار ہے بل دینے کی ادا
غصے میں اس حسین کی صورت تو دیکھئے

اردو شاعری میں جذبات نگاری کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور امجد مرزا امجد نے اس میدان میں بھی اپنے جوہر دکھائے ہیں۔ ان کے محولا بالا اشعار کو بغور دیکھا جائے تو یہ خوبی بدرجہ اتم نظر آتی ہے۔ قاری اسے اپنی ہی وارداتِ قلب خیال کرتے ہوئے تخیل کی بلندیوں میں پرواز کرتا جاتا ہے۔ ایک اور بات جس کا ذکر کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ امجد مرزا امجد کی شاعری میں سفلی جذبات کا دخل آپ کو نظر نہیں آئے گا۔ وہ محبت کے پاکیزہ اور سچے جذبے کی عکاسی کرتے ہیں اور کمال مہارت سے کرتے ہیں۔ ان کے ہاں عشق کا بازاری انداز نہیں۔ وہ محبوب کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن اس انداز سے کہ سفلیت کی جگہ پاکیزگی نظر آتی ہے۔ ''سوزِ حیات'' کی زبان موزوں اور شائستہ ہے۔ مؤدب لہجے میں وارداتِ عشق کا بیان ہے۔ امجد کی غزل میں جذبات اور احساسات کی ترجمانی تو ہے ہی لیکن اس سے بڑھ کر کسک اور مجبوری کا بیان ہے جو دل افسردہ کر دیتا ہے۔ وہ فطری شاعر ہیں۔ غمِ ہستی کا رنگ انہیں اپنی جانب متوجہ کر لیتا ہے۔ ان کے ہاں درد و کرب متشکل ہو کے سامنے آتا ہے اور یہ زیادہ تر ان کی نظموں میں ہے۔ ''اب موت بھی تو سستی نہیں ہے'' سے یہ منظر دیکھیے:

یہ مانا کہ تری رضا بھی اٹل ہے — یہ مانا کہ اک دن قضا بھی اٹل ہے
مری یہ دعا ہے کہ اے میرے مالک! — مرا سائیں سر سے ابھی مت اٹھانا
علاج اس کا کرنے کا یارا نہیں ہے — معالج کی فیسوں کا چارہ نہیں ہے

غزل کا اپنا ایک مزاج ہوتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو امجد مرزا امجد اس کسوٹی پر بھی پورا اُترتے ہیں۔ وہ حیات کے ہر پہلو کا مکمل ادراک رکھتے ہوئے شعر کہتے ہیں۔ اس لئے وہ وارداتِ قلب کو عکس بند کرتے ہوئے یکسو ہو جاتے ہیں۔ وہ تصنع اور بناوٹ کے قائل نہیں بلکہ اس کے برعکس ان کے ہاں رکھ رکھاؤ اور تہذیبی رچاؤ دیکھنے میں آتا ہے۔ ان کے ہاں خارجیت کا رنگ بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ دہشت گردی، بدامنی، سیاستی انارکی، رہنماؤں کے روپ میں رہزنوں کی پہچان اور انسان کی بے کسی پر قلم اٹھاتے ہیں اور کمال کر دیتے ہیں۔ اردو شاعری میں مزاحمتی شاعری کا ایک مقام ہے اور مختلف شعرا نے مزاحمتی شاعری کی ہے۔ اس حوالے سے بھی امجد مرزا امجد کا نام نمایاں ہے۔ سچے اور حقیق شاعر کی مانند وہ معاشرے کی آنکھ ثابت ہوئے ہیں۔ اس نظم کے ساتھ ان کی شاعری پر مضمون کا اختتام یہ کہتے ہوئے کرتی ہوں کہ وہ اس عہد کے ایک نمایاں شاعر ہیں اور ان کا نام اس حوالے سے زندہ رہے گا۔

میں لکھتا تھا، میں لکھتا ہوں — میں لکھتا جاؤں گا ہر دم
زمانہ روک سکتا ہو — تو روکے ظلم کو اپنے
ظلم جب اپنی حدوں کو پار کرتا ہے — زبانیں کاٹ دیتا ہے
تو مظلوموں کے ہاتھوں کا قلم — بے باک آخر ہو ہی جاتا ہے

پاگل قوم ۔ ثقلین مبارک

۱۹۶۰ میں ترکی کے شہر میں واقع پاگل خانے سے چوکیداروں کی لاپرواہی کی بناء پر پاگل خانے کے کھلے ہوئے دروازے سے موقع پا کر 423 پاگل فرار ہو گئے۔ شہر کی سڑکوں پر پاگلوں نے اودھم مچا دیا، بدنظمی اور ہڑبونگ مچ گئی۔ ہسپتال کی طرف سے شہر کی انتظامیہ کو اطلاع ملی۔ ماہرین مسئلے کے حل کیلیئے سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ فوری طور پر ایک بڑے ماہر نفسیات کو بلوا لیا گیا۔ ماہر نفسیات نے حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے فوراً ایک سیٹی منگوائی۔ ہسپتال کے عملے اور انتظامیہ کے کچھ لوگوں کو چھکڑا بنا کر اپنے پیچھے لگایا گاڑی بنائی اور وسل بجاتے چھک چھک کرتے سڑک پر نکل آیا۔ ماہر نفسیات کا تجربہ کامیاب رہا۔ سڑک پر چلتے پھرتے مفرور پاگل ایک ایک کر کے گاڑی کا حصہ بنتے گئے۔ شام تک ماہر نفسیات ڈاکٹر صاحب سارے پاگلوں کی گاڑی بنا کر ہسپتال لے آئے۔ انتظامیہ نے پاگلوں کو واپس اُن کے وارڈز میں بند کیا اور ڈاکٹر صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ مسئلہ شام کو اُس وقت بنا جب پاگلوں کی گنتی کی گئی تو 612 پاگل شمار ہوئے جبکہ ہسپتال سے صبح کے وقت صرف 423 پاگل فرار ہوئے تھے۔

***

اپنے سکول سے نکالنے کے بعد استانی 25 سال بعد بشیرے سے ملی تو کیا ہوا؟

عبدالقدیر کوکب

بہت نالائق اور نکھٹو طبیعت کا تھا...اس کے اسکول میں استاد اور استانیاں اس سے نالاں رہتے تھے اور ساتھی مذاق اُڑاتے تھے۔ایک دن، بشیر کی اماں اسکول آئیں اور استانی جی سے اپنے پیارے بیٹے کی پڑھائی پر بات کرنا چاہی۔اُستانی جی تو بھری بیٹھی تھیں۔بشیر کی بے وقوفی اور پڑھائی میں غیر دلچسپی کی داستانیں بغیر لگی لپٹی رکھے،اس کی اماں کو سنا ڈالیں کہ یہ اتنا نالائق ہے کہ اگر اسکا باپ زندہ ہوتا اور بینک کا مالک بھی ہوتا تب بھی اس کو نوکری پہ نا رکھواپاتا بیوہ ماں پر سکتہ طاری ہوگیا۔بغیر کچھ کہے،اپنے پیارے بیٹے کا ہاتھ پکڑا اور اسکول سے چلی گئی۔نہ صرف اسکول، بلکہ وہ گاؤں بھی چھوڑ کر شہر چلی آئی۔وقت گزرتا گیا،گاؤں بڑھ کر قصبہ بن گیا اور 25 سال گزر گئے۔

اسکول کی استانی جی کو دل میں شدید درد محسوس ہوا۔ہسپتال میں داخل کرایا لیکن درد بڑھتا رہا اور سب لوگوں نے،قریب بڑے شہر کے اچھے ہسپتال میں اوپن ہارٹ سرجری کا مشورہ دیا۔سب کے مشورے سے وہ شہر چلی آئیں اور سرجری کروالی۔آپریشن کامیاب رہا اور انہیں کمرے میں لے جایا گیا۔بیہوشی کی ادویات کے زیر اثر،انہوں نے آنکھ کھولی تو سامنے ایک خوبصورت نوجوان مسکراتا نظر آیا۔اسے پہچاننے کی کوشش کرتے ہوتے یکدم انکا رنگ نیلا پڑنے لگا انہوں نے انگلی سے ڈاکٹر کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہنا چاہا لیکن شاید مصنوعی آکسیجن بند ہو چکی تھی...ڈاکٹر خوفزدہ اور پریشان ہوگیا اور اس نے آگے بڑھ کر انہیں سنبھالنے کی کوشش کی.لیکن استانی جی نے لمحوں میں ہی دم توڑ دیا۔ڈاکٹر کی آنکھوں میں آنسو تھے۔وہ پلٹا تو دیکھا کہ ہسپتال کے سویپر،بشیر نے،وینٹی لیٹر کا پلگ نکال کر اپنے موبائل کا چارجر لگا دیا تھا...اب آپ اگر یہ سمجھ رہے تھے کہ خوبصورت ڈاکٹر وہی سادہ اور بے وقوف سا لڑکا،بشیر،تھا جس کی ماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روتے ہوئے گاؤں چھوڑا تھا اور شہر آکر اس کو ڈاکٹر بنوا دیا تھا،تو پلیز جاگ جائیں...ناولز کے اثر سے باہر آجائیں۔حقیقی زندگی میں بشیر، بشیر ہی رہتا ہے۔

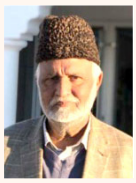

واصف علی واصف ایک صوفی

مولانا منور احمد خورشید صاحب

واصف علی واصف 15 جنوری 1929ء تا 18 جنوری 1993ء بیسویں صدی کے ایک مشہور و معروف شاعر،مصنف،کالم نگار اور مسلم صوفی تھے۔

اجمالی معلومات: واصف علی واصف،معلومات شخصیت ولادت وابتدائی زندگی۔واصف علی واصف 15 جنوری 1929ء کو شاہ پور خوشاب میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد ماجد ملک محمد عارف کا تعلق وہاں کے قدیم اور معزز اعوان قبیلے کی ایک ممتاز شاخ ''کنڈان'' سے تھا۔مستند تاریخ کے حوالے سے یہ بات ثابت ہے کہ اعوان قوم کا سلسلہ نسب حضرت علی سے جا ملتا ہے۔ابتدائی تعلیم خوشاب میں حاصل کی۔جون 1939ء میں گورنمنٹ ہائی سکول خوشاب سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔اس کے بعد آپ اپنے نانا کے پاس جھنگ چلے آئے۔وہ ایک ممتاز ماہر تعلیم تھے اور جوانی میں قائداعظم کے زیر نگرانی امرتسر میں مسلم لیگ کے لئے کام کر چکے تھے۔آپ کے والد نے فیصلہ کیا کہ بقیہ تعلیم آپ کو جھنگ میں دلوائی جائے۔

تعلیم: جھنگ میں دوران تعلیم آپ کے جوہر خواب کھلے اور ایک شاندار تعلیمی کیریئر کا آغاز ہوا۔میٹرک 1944ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول جھنگ سے کیا۔اس وقت بورڈ کی بجائے امتحان پنجاب یونیورسٹی لیا کرتی تھی۔آپ نے فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔اس کے بعد ایف۔اے گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج جھنگ سے پاس کیا،پنجاب یونیورسٹی کے اس امتحان میں بھی فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔آپ نے بی۔اے گورنمنٹ کالج جھنگ سے پاس کیا اور اس مرتبہ بھی فرسٹ ڈوژن حاصل کی۔بعد ازاں ایم۔اے انگریزی ادب میں داخلہ لیا۔اس دوران میں آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھتے تھے اور ہاسٹل میں رہا کرتے تھے۔

اعلیٰ تعلیم و کھیل: وہ اسکول اور کالج میں ہاکی کے بہت اچھے کھلاڑی تھے۔سنہ 1948ء میں آپ کو ہاکی میں حسن کارکردگی پر ''کالج کلر'' دیا گیا۔اس کے علاوہ کالج کی مختلف سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔اسی کالج کی انہی گوں ناگوں سرگرمیوں کی وجہ سے 1949ء میں آپ کو ''ایوارڈ آف آنر'' دیا گیا۔27 ستمبر 1954ء میں آپ کو ویسٹ پاکستان پولیس ٹریننگ کا اعزازی سرٹیفکیٹ جاری کیا گیا جس میں آپ کی ٹریننگ اور خدمات کو سراہا گیا۔جون 1954ء کے پنجاب گزٹ کے مطابق آپ نے سول سروس کا امتحان پاس کیا مگر

طبیعت کی 3 انفرادیت اور درویشی کے میلان کی وجہ سے سرکاری نوکری کو درخورِ اعتنا نہ سمجھا۔ کچھ ہی عرصہ بعد آپ نے ریگل چوک لاہور میں واقع ایک پنجابی کالج میں پرائیویٹ کلاسوں کو پڑھانا شروع کیا۔ بعدازاں پرانی انارکلی کے پاس نابھہ روڈ پر ''لاہور انگلش کالج'' کے نام سے اپنا تدریسی ادارہ قائم کیا۔

سلسلہ بیعت: واصف صاحب انڈیا بریلی میں شاہ نیاز احمد (چشتی قادری) کے آستانہ عالیہ سے بیعت تھے۔ 1969ء میں زائرین کا ایک وفد امیر خسرو کے عرس پر دہلی پہنچا اس دوران میں بریلی میں خانقاہ نیازیہ پہنچے اور آپ کے سجادہ نشین محمد حسن میاں سرکار کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

تدریس: یہ 1962ء کی بات ہے کالج میں باقاعدگی سے لنگر چلتا تھا اور خاص بات یہ تھی کہ طالب علموں کے علاوہ ہر آنے والے کو چائے پیش کی جاتی تھی اور آپ اکثر ان کے ساتھ چائے نوشی میں شریک ہوجایا کرتے۔ کالج میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے اصحاب کی آمد و رفت رہتی۔ ان میں ادیب، شعراء، بیوروکریٹ، وکیل، ملنگ، فقراء، درویش اور طالب علم اپنے اپنے ذوق اور طلب کے مطابق فیض یاب ہوا کرتے تھے۔

ابتدا فیض: مختلف اخباروں اور جرائد میں آپ کا کلام چھپا کرتا تھا۔ چند اصحاب کے اصرار پر یہ کلام جمع کیا گیا اور عارف نوشاہی سے کتابت کرائی گئی تو آپ کی پہلی تصنیف منظرِ عام پر آئی۔ یہ 1978ء کی بات ہے۔ مجموعہ کلام کا نام ''شبِ چراغ'' رکھا گیا۔ اس میں آپ کے لاہور انگلش کالج کے زمانے کی ایک نہایت پرشکوہ اور جلال و جمال سے مرقع فوٹو گراف بھی تھی۔ اس تقریب کی رونمائی میں آپ کے بہت سے عقیدت مند اور اہلِ علم حضرات شامل ہوئے۔ اس کے بعد رشد و ارشاد کا ایک لامتناہی سلسلہ چل نکلا۔ یہ دور انتہائی مصروفیت اور محنت کا دور تھا۔ جب لوگوں کی تعداد بڑھنا شروع ہوگئی تو گفتگو نے ''محفل'' کا روپ اختیار کرلیا۔ مختلف مقامات پر محفل جمنے لگی۔ شروع شروع میں محفل کی باقاعدہ شکل لاہور کے مشہور اور مصروف مقام ''لکشمی چوک'' میں بننی شروع ہوئی۔ اس کے بعد قذافی سٹیڈیم میں واقع فزیکل ٹریننگ کے ادارے میں محترم نیازی مرحوم کے ہاں محفلوں کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ یہاں پر ایک ہزار راتیں آپ نے خطاب کیا۔ مختلف موضوعات پر لوگ سوال کیا کرتے اور آپ ان کے جواب دیا کرتے۔ بعد میں یہ سلسلہ آپ کی قیام گاہ 22 فردوس کالونی گلشن راوی پر شروع ہوا۔ کالم نویسی۔ آپ کو ایم۔اے۔او کالج لاہور کی ''مجلس اقبال'' کے ایک پروگرام میں مدعو کیا گیا اور ایک 1984 میں محفل بھی وہاں جمی۔ چیدہ چیدہ اہلِ قلم اور اہلِ علم اصحاب نے آپ سے مختلف سوالات کیے۔ اس کی روداد روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہوئی تو قارئین کی اکثریت نے اصرار کیا کہ واصف صاحب کی تحریر کا کوئی باقاعدہ سلسلہ ہونا چاہیے۔ تب آپ نے نوائے وقت کیلئے کالم لکھنا شروع کیا۔ پہلا کالم ''محبت'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ ندرتِ کلام اور تاثیر کا یہ عالم تھا کہ لوگوں نے دھڑا دھڑ آپ سے رابطہ کرنا شروع کر دیا اور اپنے دینی، دنیاوی اور روحانی مسائل کے حل کے لئے آپ کو مستجاب پایا۔

وفات: واصف علی واصف کا ایک فرمان ہے کہ ''عظیم لوگ مرتے ہیں مگر موت ان کی عظمت میں اضافہ کرتی ہے'' یوں تو آپ نے 18 جنوری 1993ء بمطابق 24 رجب 1415ھ کی سہ پہر کو اس دارِفانی سے آنکھیں موندھ لی تھیں مگر آج بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ کے علم و عرفان کا نور ہر سو پھیلتا ہی جا رہا ہے اور پھیلتا ہی جائے گا یہاں تک کہ آپ کا اصل مقصدِ تخلیق پورا ہوجائے گا یعنی ''استحکامِ پاکستان'' اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ۔ تصانیف، قطرہ قطرہ قلزم، حرف حرف حقیقت، دل دریا سمندر بات سے بات۔ 1993ء گمنام ادیب۔ 1980ء۔ مکالمہ۔۔ 1983ء، ذکر حبیب۔ دریچے۔ گفتگو 1 تا 28۔ 1992ء انگریزی تصانیف A The beaming soul-1988 شاعری۔ شب چراغ 1978ء بھرے بھڑولے، پنجابی شاعری

اقتباسات: کرن کرن سورج سے،، محب اور محبوب۔ محب اور محبوب کی الگ الگ تعریف مشکل ہے۔ محبت کے رشتے سے دونوں ہیں۔ کسی کی کسی پر فوقیت کا بیان نہیں ہوسکتا، مقام محبوب مقام محب سے کم تر یا برتر نہیں کیا جا سکتا۔ ایک کی ہستی دوسرے کے دم سے ہے۔ دنیاوی رشتوں میں محب اور محبوب کا تقابل ناممکن ہے۔ حقیقت کی دنیا میں تو اور بھی ناممکن۔ اللہ کو اپنے محبوب سے کتنی محبت ہے کہ اسے باعث تخلیق کائنات فرما دیا۔ اللہ اپنے فرشتوں کے ہمراہ اپنے محبوب پر درود بھیجتا ہے، اس کے ذکر کو بلند کرتا ہے، اس کی شان بیان کرتا ہے اور محبوب اپنے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کی تسبیح بیان فرماتے ہیں، اس کے لئے زندگی اور زندگی کے مشاغل وقف فرماتے ہیں۔ کامیابی اور ناکامی اتنی اہم نہیں جتنا کہ انتخابِ مقصد۔ نیک مقصد کے سفر میں ناکام ہونے والا برے سفر میں کامیاب ہونے والے سے بدرجہ بہتر ہے۔ ایسا ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے لیکن اس کی زندگی ناکام ہو۔

کلام، تاثیر اور صداقت: چھوٹا آدمی کلامِ الٰہی بھی بیان کرے گا تو وہ اثر نہ ہوگا۔ صداقت بیان کرنے کے لئے صادق زبان چاہیے بلکہ صادق کی زبان ہی صداقت ہے۔ جتنا بڑا صادق، اتنی بڑی صداقت۔ انسان کا اصل جوہر صداقت ہے۔ صداقت مصلحت اندیش نہیں ہوسکتی۔ جہاں اظہار صداقت کا وقت ہو وہاں خاموش رہنا صداقت سے محروم کر دیتا ہے۔ اس انسان کو صادق نہیں کہتے جو اظہار صداقت میں ابہام کا سہارا لیتا ہو۔

حکومت: حکومت نا اہل ہوسکتی ہے،غیر مخلص نہیں۔ملک سے مخلص ہونا حکومت کی ذمے داری بھی ہے اور ضرورت بھی۔ملک سلامت رہے گا تو حکومت قائم رہ سکتی ہے۔اس لئے حکومت ہمیشہ مخلص ہی ہوتی ہے۔حزب اختلاف حکومت کو غیر مخلص کہتا ہے اور حکومت اپنے مخالفوں کو وطن دشمن کہتی ہے،جو انسان دس سال سے زیادہ عرصے سے ملک میں رہ رہا ہو وہ ملک دشمن نہیں ہوسکتا۔جس کے ماں باپ کی قبر اس ملک میں ہے وہ غدار نہیں۔

***

فکر جدید - آفتاب شاہ

سعی واعظ کی عمر بھر عابد
عشق سے رکھ سکی نہ باز مجھے

مومن کا خمیر یقین کے وجود میں گندھا ہوتا ہے یہ یقین عاجزی کا لباس پہن کر فقر کے دامن سے وابستہ رہتا ہے۔یقین کا درتب تک کھل نہیں سکتا جب تک عقیدت کا دیا وجدان کی لو پر ٹمٹماتا نہیں اور وجدان ہی آدم کو اس مقام پہ لے جاتا جہاں فرشتوں کے پر جلتے ہیں عشق وجدان کے تصور کو اتنا نمایاں کر دیتا ہے کہ ظاہر میں باطن کا عکس گفتگو کرتا نمایاں ہوتا چلا جاتا ہے۔یقین کا پرندہ اگر اڑ جائے تو صرف عقیدت کا دم نہیں گھٹتا بلکہ عقیدہ بھی سر عقل کی سولی پر لٹک جاتا ہے۔اور توکل کا اثر اس طرح زندگی سے نکلتا ہے کہ ہر در پر جھکنا عزیز تر ہو جاتا ہے اور یہ وہ مرحلہ ہے جسے شرک کی ابتدا کہتے ہیں۔عشق کا تازیانہ زندگی کی رگوں سے لہو نچوڑ کر فکرِ یار کی یاد اس طرح بہاتا ہے کہ دل کی طرف جانے والا ہر پیغام ملن کے حروف کو روشن تر کرتا چلا جاتا ہے۔دل کا دیا اس پیغام کو زندگی بخش سمجھتے ہوئے دھڑکن کو بیقراری کا درس دیتا ہے جس سے دھڑکن تڑپتے ہوئے آنکھ کو سوچ کے نگر میں نظارگی کی دعوت دیتی ہے۔اس نظارے کو خیال کا پنچھی امید سے جوڑ کر دل کی زبان کو حرارت وسکوں عطا کرتا ہے۔دل کی زبان ان جانے خوف سے احساس کے کان میں پیار کا نغمہ گا کر جذبات کے بدن میں آگ لگا دیتی ہے۔تبھی خوف کا ناگ شک کے پھن سے انتظار کی ازیت کو اس طرح زہریلا کرتا ہے کہ وصل کا راگ فراق کے بین ڈالنے لگتا ہے۔شب بخیر۔از قلم آفتاب شاہ شادی کے حسین بندھن کو ہمارے معاشرے نے فضول رسموں اور اسراف کی اس طرح زنجیر پہنائی ہے کہ والدین سو بار سوچتے ہیں اور پھر فیصلہ کرتے ہیں کہ اتنے پیسے اکٹھے ہو گئے ہیں کہ بیٹی یا بیٹے کی شادی کی جا سکے۔اس میں قصور صرف معاشرے کا نہیں بلکہ والدین اور اولاد کا بھی ہے جو لائٹنگ سے لہنگے تک ہر معاملے میں اپنے ناک کو گھسیٹ کر بیچ میں لے آتے ہیں۔شادی کو معاشرتی معاہدہ بنا کر متنازعہ بنا دیا گیا ہے حالانکہ دو افراد کا باہمی تعلق کسی بھی رسم ورواج کا محتاج نہیں ہے۔تو پھر شادی کو سنت کے عمل سے جوڑ کر پیش کریں کسی کی بھی بیٹی کے بال رشتے کے انتظار میں سفید نہیں ہونگے۔

نامعلوم

کچھ تو بول مسیحا آخر کیسا روگ لگا ہے
کوئی بھلا بیمار ہوا ہے یوں بیمار کے ساتھ
وہ کیا جانیں صبح کا منظر نامہ کیا ہوتا ہے
جن کا سورج بندھا ہوا ہے بس اخبار کے ساتھ
بارش میں تنہا بھیگو یا بھیگو یار کے ساتھ
کتنے زخم مہک اُٹھتے ہیں پہلی پھوار کے ساتھ
لہروں میں بھی گرہ پڑی ہوتی ہے جیسے دل میں
دریا کے سب بھید ،نہیں کھلتے پتوار کے ساتھ
رستے گلیوں پر ہنستے ہیں آنکھیں ویرانی پر
کیسا منظر بدل گیا اس خوش رفتار کے ساتھ
یوں بنیادوں سے مت کھیلو ورنہ بعض اوقات
ساری عمارت گر پڑی ہے اک دیوار کے ساتھ
پہلے تو دستار سنبھالنی مشکل تھی لوگوں کو
شاید اب کے سر بھی چلا جائے دستار کے ساتھ

تنگ جوتے کی تکلیف

طاہر ملک لاہور

گورنر صاحب نیچے آئے' مونچھوں کو تاؤ دیا اور بھاری آواز میں بولے ''کل مال روڈ پر کوئی طالب علم نظر نہیں آنا چاہیے خواہ آپ کو جلوس روکنے کیلئے گولی ہی کیوں نہ چلانی پڑ جائے''۔ ایس ایس پی کے ماتھے پر پسینہ آ گیا' وہ گھبرا کر جیب میں رومال ٹٹولنے لگا' گورنر صاحب اپنے دفتر کی طرف چل پڑے' ایس ایس پی لپک کر ان کے پیچھے دوڑا اور سانس سنبھالتے سنبھالتے بولا ''سر لیکن مجھے اس کیلئے آپ کا تحریری حکم چاہیے ہوگا''۔ گورنر صاحب غصے سے دھاڑے ''کیا میرا زبانی حکم کافی نہیں'' ایس ایس پی کی گردن تک پسینے سے بھیگ گئی' وہ رُک رُک کر بولا ''سر ہم تحریری حکم کے بغیر گولی نہیں چلا سکتے''. گورنر نے غصے سے گردن ہلائی اور زور سے آواز لگائی ''سیکرٹری کہاں ہے!'' گورنر کی آواز پورے گورنر ہاؤس میں گونجی' دھڑا دھڑ دروازے کھلے اور ہر قسم کا سیکرٹری پیش ہو گیا' گورنر نے سب کی طرف دیکھا اور اونچی آواز میں کہا ''میں نے ایس ایس پی کو سٹوڈنٹس پر گولی چلانے کا حکم دے دیا ہے' یہ جو کاغذ' جو تحریری حکم مانگیں آپ انہیں دے دیں لیکن مجھے کل مال روڈ پر کوئی طالب علم نظر نہیں آنا چاہئے اور جو آئے اسے زندہ واپس نہیں جانا چاہئے''۔ کوریڈور میں سراسیمگی' خوف اور پریشانی کے ڈھیر لگ گئے اور تمام افسر خوف سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ یہ گورنر نواب آف کالا باغ تھے' یہ 1960 سے 1966 تک پنجاب کے گورنر رہے' پاکستان اس وقت مغربی پاکستان ہوتا تھا اور نواب صاحب اس پورے مغربی پاکستان کے واحد گورنر تھے' یہ صرف چھ سال گورنر رہے لیکن پنجاب میں آج بھی ان کی انتظامی گرفت کی مثالیں دی جاتی ہیں' لوگ آج بھی کہتے ہیں پنجاب کی تاریخ میں حکمران صرف ایک ہی گزرا ہے اور وہ تھا نواب آف کالا باغ' نواب صاحب نڈر شخص تھے' ان کا ہر حکم کلیئر اور ڈائریکٹ ہوتا تھا اور وہ بعد ازاں اس کی ساری ذمہ داری بھی قبول کرتے تھے۔ یہ بھی مشہور تھا وہ حکم جاری کرنے کے بعد واپس نہیں لیتے تھے خواہ انہیں اس کی کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے' بیوروکریسی ان کی اس خو سے واقف تھی چنانچہ نواب صاحب نے جب طالب علموں پر گولی چلانے کا حکم دیا تو گورنر ہاؤس سے لے کر سیکرٹریٹ تک سراسیمگی پھیل گئی' مال روڈ پر طالب علموں پر گولی چلانا اور پھر لاشیں اُٹھانا کوئی آسان کام نہیں تھا' یہ سانحہ ملک کی بنیادیں تک ہلا سکتا تھا لیکن نواب صاحب کو سمجھانا ممکن نہیں تھا لہٰذا تمام افسر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ افسروں نے اس ایشو کا کیا حل نکالا؟ ہم آپ کو یہ بتائیں گے لیکن آپ پہلے اس واقعے کا پس منظر ملاحظہ کیجئے' یہ ایوب خان کا دور تھا' ملک میں طالب علموں نے حکومت کے خلاف تحریک شروع کر رکھی تھی' یہ سڑکوں پر نکلتے تھے' ایوب خان کے خلاف نعرے لگاتے تھے اور پولیس روکتی تھی تو یہ پتھراؤ کر کے بھاگ جاتے تھے' یہ سلسلہ چلتے چلتے لاہور پہنچ گیا' گورنمنٹ کالج کے طالب علموں نے مال روڈ پر جلوس نکالنے کا اعلان کیا اور لاہور کے تمام کالجوں کے طالب علم ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ حکومت پریشان ہو گئی' گورنر صاحب نے جلوس سے ایک دن پہلے ایس ایس پی کو بلا لیا' یہ صبح رہائشی کمرے سے نکلے تو ایس ایس پی سیڑھیوں کے نیچے کھڑا تھا' گورنر نے اسے دیکھا اور حکم جاری کر دیا ''جلوس نہیں نکلنا چاہیے خواہ طالب علموں پر گولی ہی کیوں نہ چلانی پڑ جائے'' اور آپ باقی کہانی پڑھ چکے ہیں۔ بیوروکریسی نے گورنر کو نتائج سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا' نواب صاحب کو ذاتی ملازمین کے ذریعے رام کرنے کی کوشش کی گئی' نواب صاحب نے صاف انکار کر دیا۔ چیف سیکرٹری نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا لیکن جھاڑ کھا کر واپس آ گیا اور نواب صاحب کے صاحبزادے نے سمجھانے کی ہمت کی لیکن وہ بھی گالیاں کھا کر باہر آ گیا' گورنر صاحب نے شام کے وقت گولی چلانے کا تحریری حکم بھی جاری کر دیا اور یہ حکم اخبارات اور پورے صوبے کی بیوروکریسی تک بھی پہنچ گیا' اگلی صبح لاہور کی بیوروکریسی کیلئے مشکل ترین دن تھا' پولیس نے مال روڈ گھیر لیا' طالب علم کالجوں میں اکٹھے ہوئے' نعرے لگانا شروع کئے۔ پولیس نے رائفلیں سیدھی کر لیں اور پھر ایک حیران کن واقعہ پیش آیا' طالب علم نعرے لگانے کے بعد اپنی اپنی کلاسز میں واپس چلے گئے' ان میں سے کوئی مال روڈ پر نہیں نکلا' پولیس شام تک سڑک پر کھڑی رہی' صدر ایوب خان راولپنڈی میں بیٹھ کر لاہور کی صورت حال واچ کر رہے تھے' وہ طالب علموں کی پسپائی پر حیران رہ گئے اور انہوں نے گورنر صاحب کو ٹیلی فون کر کے پوچھا ''نواب صاحب میں آپ کو مان گیا لیکن آپ نے یہ کیا

کیسے؟''۔

نواب صاحب مونچھوں کو تاؤ دیا کرتے تھے۔ وہ بائیں مونچھ کو چٹکی میں دبا کر بولے ''صدر صاحب میں جانتا ہوں لاہور کے تمام بیوروکریٹس کے بچے' بھانجے اور بھتیجے کالجوں میں پڑھتے ہیں' یہ افسر میری فطرت سے بھی واقف ہیں' یہ جانتے ہیں میں نے اگر گولی کا حکم دیا ہے تو پھر گولی ضرور چلے گی چنانچہ میں نے ان کی نفسیات سے کھیلنے کا فیصلہ کیا' میں نے حکم دے دیا' مجھے یقین تھا یہ لوگ کل اپنے بچوں کو کالج نہیں جانے دیں گے۔ ان کے بچے اپنے دوستوں کو بھی صورت حال کی نزاکت سے آگاہ کر دیں گے اور یوں کوئی طالب علم مال روڈ پر نہیں نکلے گا'' صدر ایوب خاموشی سے سنتے رہے' نواب آف کالا باغ نے اس کے بعد یہ تاریخی فقرہ کہا ''صدر صاحب! انسان کی فطرت ہے یہ دوسروں کیلئے سخت اور اپنے لئے نرم فیصلے کرتا ہے اور میں ہمیشہ انسان کی اس خامی کا فائدہ اُٹھاتا ہوں' میں اپنے فیصلوں میں فیصلہ کرنے والوں کا سٹیک شامل کر دیتا ہوں چنانچہ رزلٹ فوراً اور نرم آتا ہے''۔ نواب آف کالا باغ کی بات درست تھی' ہم انسان اپنی ذات سے متعلق فیصلے ہمیشہ اچھے اور جلدی کرتے ہیں جبکہ دوسروں کے فیصلے دہائیوں تک میز کی درازوں میں پڑے رہتے ہیں' آپ کو اگر یقین نہ آئے تو آپ پنجاب اسمبلی کا تازہ ترین فیصلہ دیکھ لیجئے' پنجاب اسمبلی نے 15 اگست 2018 کو حلف اُٹھایا' 368 ارکان میں سات ماہ میں کسی ایک ایشو پر اتفاق رائے نظر نہیں آیا' عوام نے جب بھی دیکھا یہ لوگ ایک دوسرے کے جانی دشمن نظر آئے لیکن 12 مارچ کو اسمبلی کے تمام اراکین میں اتفاق رائے ہو گیا۔ اسمبلی میں ایک بل پیش ہوا' کوئی بحث ہوئی اور نہ کسی نے اعتراض اُٹھایا' سپیکر نے بل قائمہ کمیٹی میں بھجوایا' کمیٹی نے ایک دن میں منظوری دے دی' یہ تیسرے دن اسمبلی میں پیش ہوا اور اسمبلی نے دس منٹ میں بل پاس کر دیا' یہ پنجاب اسمبلی کے ارکان' ڈپٹی سپیکر' سپیکر' وزراء اور وزیراعلیٰ کی تنخواہ اور مراعات میں اضافے کا مقدس ترین بل تھا اور اس بل کے ذریعے وزیراعلیٰ چار لاکھ 25 ہزار' سپیکر دو لاکھ 60 ہزار' ڈپٹی سپیکر دو لاکھ 45 ہزار' وزرائ دو لاکھ 75 ہزار اور اراکین اسمبلی ایک لاکھ 95 ہزار ماہانہ تنخواہ اور مراعات وصول کریں گے۔

ارکان اسمبلی' وزراء اور وزیراعلیٰ کے ڈیلی الاؤنس' ہاؤس رینٹ' یوٹیلٹی الاؤنس اور مہمانداری الاؤنس میں بھی دو' تین اور چار گنا اضافہ کر دیا گیا' میں ذاتی طور پر سمجھتا ہوں ارکان' وزراء اور وزیراعلیٰ کی تنخواہیں کم تھیں' یہ اضافے کے بعد بھی تسلی بخش نہیں ہیں' آج کے دور میں اس آمدنی میں اچھا لائف سٹائل برقرار رکھنا ممکن نہیں لیکن سوال یہ ہے کیا ارکان اسمبلی اور وزراء فریب ہیں؟ کیا یہ صرف تنخواہ پر گزارہ کر رہے ہیں؟ جی نہیں! 99 فیصد ارکان کا روزانہ کا خرچ ان کی ماہانہ تنخواہ سے زیادہ ہے۔

ملک کے غرباء تو رہے دور مڈل کلاس کا کوئی شخص بھی الیکشن کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا لہٰذا یہ تمام لوگ رئیس ہوتے ہیں لیکن آپ ان رئیس لوگوں کی حرص بھی ملاحظہ کیجئے' یہ اپنی مراعات اور تنخواہوں کیلئے چند لمحوں میں اپنے تمام اختلافات بھلا کر اکٹھے ہو گئے' بل آیا اور دو دن میں تمام مراحل طے کر کے پاس ہو گیا' اس پر اس ماہ سے عمل درآمد بھی شروع ہو جاتا' یہ سپیڈ ثابت کرتی ہے ہمارے ارکان اسمبلی اپنے ذاتی ایشوز پر یک جان ہیں لیکن یہ عوامی ایشوز پر منقسم ہیں۔ یہ لوگ عوام کے ایشوز پر کبھی اکٹھے ہوئے اور نہ ہوں گے' کیوں؟ کیونکہ عوامی ایشوز میں ان کا کوئی سٹیک شامل نہیں ہوتا چنانچہ یہ ان ایشوز پر اکٹھے ہوتے ہیں اور نہ ہی اسمبلی آتے ہیں' میری وزیراعظم عمران خان سے درخواست ہے یہ چند ماہ کیلئے نواب آف کالا باغ بن جائیں' یہ عوامی ایشوز میں ارکان اسمبلی اور بیوروکریسی کو سٹیک ہولڈر بنا دیں' یہ اعلان کر دیں سرکاری افسروں اور ارکان اسمبلی کی تنخواہیں مڈل کلاس کے برابر ہوں گی' بچے سرکاری سکولوں میں پڑھیں گے' یہ سرکاری ہسپتالوں اور ڈسپنسریوں سے علاج کرائیں گے۔

پبلک ٹرانسپورٹ میں سفر کریں گے' یہ اپنے ہاتھ سے ٹیکس ریٹرنز سمیت تمام فارم پر کریں گے اور تمام یوٹیلٹی بلز بھی خود دیں گے' آپ اس کے بعد کھلی آنکھوں سے تمام فارم آسان' تمام ہسپتال' سکول اور ٹرانسپورٹ ٹھیک اور ساری مہنگائی کنٹرول ہوتے دیکھیں گے' ہمارے پالیسی ساز کیونکہ خود اس پالیسی سے باہر ہوتے ہیں چنانچہ یہ پوری زندگی تنگ جوتے کی تکلیف سے لاعلم رہتے ہیں' آپ انہیں ایک بار وہ تنگ جوتا پہنا دیں جو عوام روز پہنتے ہیں تو پھر آپ کمال دیکھئے' یہ پرانا پاکستان نیا پاکستان بنتے دیر نہیں لگائے گا' آپ انہیں ایک بار عوام بنا دیں' یہ پوری عوام کے مسئلے حل کر دیں گے۔

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

جسٹس ایم آر کیانی نے جواب دیا:

''اردو رسم الخط نے خود تو کوئی تقاضا نہیں کیا کہ مجھے بدلا جائے۔ مگر آپ کی یہی رضا ہے تو پھر اُردو کی قضا ہے۔ البتہ انسان کی فطرت اس بات کی مقتضی ہوتی ہے کہ چیزیں ہمیشہ بدلتی رہیں۔ کوئی اس کو جدّت کہتا ہے، کوئی بدعت، اور کوئی تو انقلاب کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔ اب چوں کہ آپ کو اور کوئی تبدیلی نہیں سوجھتی اور شادیاں بھی چار سے یک لخت ایک ہونے پر آپ ''کُل جدید لذیذ'' کی لذت سے محروم ہو گئے ہیں اس لیے عروسِ اردو کو شریکِ حیات سمجھ کر اپنے جنسی میلانوں کی تسکین کے لیے اُس کو رومن اردو کا فراک پہناتے ہیں۔ میرے خیال میں محترم پروفیسر خورشید احمد کو متقاضی کے بجائے متحمل کا لفظ استعمال کرنا چاہیے تھا۔ کیا اردو رسم الخط بھی اتنی تبدیلی برداشت کر سکتا ہے کہ اسے رومن کا جامہ پہنایا جائے؟ مگر جامے کی تشبیہ یہاں غلط ہے۔ اُس کا تو چہرہ ہی بدل جائے گا۔ یہ محض لباس کا بدلنا نہیں ہے۔ رسم الخط کو تو زبان سے وہ تعلق ہے جو تن کو جان سے ہے۔ میں نے فراک کا ذکر اس لیے کیا تھا کہ یہ اہلِ مغرب کا مخصوص لباس ہے اور غالباً اردو کو رومن بنانے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اسے مغرب کے لیے دلپذیر بنایا جائے۔ مگر آپ بھول رہے ہیں کہ کسی زبان کی اہمیت اُس کی اپنی خوب صورتی سے نہیں بڑھتی، بلکہ اُس کے بولنے والوں کی خوب صورتی سے بڑھتی ہے۔ جب آپ اخلاقی طور پر صحت مند ہو جائیں گے تو آپ کی قومیت کا اعتبار قائم ہو جائے گا اور دنیا آپ کی اُردو بھی سیکھے گی اور اس کے رسم الخط کے نخرے بھی اُٹھائے گی۔ کافِ کابل اور قافِ قندھار کے باریک فرق کو دیکھ کر لوگ کہیں گے کہ سبحان اللہ! محض حروف کے امتیاز میں یہ لوگ کتنی دُور چلے گئے ہیں''۔

(''افکارِ پریشاں'' مجموعہ تقاریر جسٹس ایم آر کیانی مرحوم)

ہمارا رسم الخط بھی ہماری قومی یکجہتی اور ہماری لسانی ہم آہنگی کا آئینہ دار ہے۔ سندھی، بلوچی، پنجابی اور پشتو سمیت تقریباً تمام پاکستانی زبانیں دائیں سے بائیں کو لکھی جاتی ہیں اور خطِ نسخ یا خطِ نستعلیق میں رقم کی جاتی ہیں۔ ان کے اکثر و بیشتر حروفِ تہجی بھی مشترک ہیں۔ جب کہ رومن حروفِ تہجی بائیں سے دائیں کو لکھے جاتے ہیں اور یہ حروف بھی ہمارے خطے کی زبانوں کے لیے اجنبی ہیں۔ رومن حروف میں اردو تحریر کرنے کو رواج دینے سے اردو بھی اجنبی ہو جائے گی اور اپنی ہمشیر زبانوں سے اس کا ناتا ٹوٹ جائے گا۔ یوں ہماری قومی زبان پوری قوم سے بیگانہ ہو جائے گی۔ ہمارے رسم الخط کا ہماری قوم کے عقائد، تہذیب، تمدن اور ثقافت سے کیا رشتہ ہے؟ اس موضوع پر ان شاء اللہ اگلی نشست میں بات ہو گی۔

یاد ماضی

ایک لڑکے نے کلاس میں ایک لڑکی کو محبت بھرا خط لکھا کہ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں اور اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو کل سرخ سوٹ پہن کر آنا۔ خط ایک کتاب میں رکھ کر کہا کہ گھر جا کر پڑھ لینا۔ اگلے دن لڑکی زرد رنگ کے کپڑے پہن کر آئی اور کتاب واپس کر دی۔ لڑکا اداس ہو گیا۔ وقت بیت گیا اور لڑکی کی کہیں اور شادی ہو گئی۔ کچھ سال بیتے جب ایک دن کتابوں کی صفائی کرتے وقت لڑکے کو اس کتاب سے ایک پرچی ملی جس میں اسی لڑکی نے لکھا تھا۔ مجھے بھی تم سے بہت محبت ہے مگر میں چاہتی ہوں تم میرے گھر والوں سے مجھے مانگو۔ اور ہاں میں بہت غریب ہوں اور میرے پاس سرخ سوٹ خریدنے کے پیسے نہیں تھے۔ تمہاری اپنی... لڑکے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ موورال... سال میں ایک بار لڑکوں کو سبجیکٹ کی کتابیں کھول کر دیکھ لینی چاہیے نوٹ۔۔ اور ہاں اب آپ لوگ اپنی کتابیں مت کھنگالنے بیٹھ جانا۔ آپ کا وقت گزر گیا ہے۔ اب اپنے بچوں کی اسٹڈی پر دھیان دیں۔

اینج اے تے فیئر اینج ای سہی

کچھ دِنوں پہلے ایک قصائی کُتے کا گوشت فروخت کرنے کے جُرم میں گرفتار ہو گیا جب اُسے جج صاحب کے سامنے پیش کیا گیا، تو جج نے پُوچھا کیا یہ سچ ہے کہ تُمہارے پاس سے کُتے کا گوشت پکڑا گیا ہے؟ مُلزم: جی جناب! یہ سچ ہے. جج: تُمہیں شرم نہیں آتی کہ تم اِنسانوں کو کتّوں کا گوشت کھلاتے ہو؟ مُلزم: نہیں جناب میں اِنسانوں کو کُتوں کا گوشت نہیں کِھلاتا۔ جج: کیا مطلب ابھی تو تُم نے خُود اِقرار کیا؟ مُلزم: ہاں جناب میں نے اِقرار کیا کہ میرے پاس سے کُتے کا گوشت پکڑا گیا ہے، لیکن وہ گوشت میں نے کسی اِنسان کو نہیں کھلایا... جج: تو پھر وہ گوشت کس کو کھلایا؟ ملزم: جج صاحب میں نے وہ کُتوں کا گوشت کُتوں کو ہی کھلایا... جج: کیا مطلب؟ مُلزم: مطلب یہ ہے جج صاحب کہ میرے پاس ہمارے ضلع کے ''ڈی سی او''، ''ڈی ایس پی'' ''ایس ایچ او'' اور اُن جیسے اور بھی بڑے لوگ آتے تھے اور مُفت میں چھوٹا گوشت لے کر جاتے تھے، اور نہ دینے پر جُرمانہ کرنے کی دھمکیاں دیتے تھے۔ بکری کے آٹھ، نو کلو گوشت میں ایک دو کلو وہ لے جاتے تھے تو مُجھے فائدے کے بجائے اُلٹا نُقصان ہو جاتا تھا. اِس لئے میں کُتا ذبح کر کے رکھتا تھا، جب وہ لوگ مُجھ سے مُفت کا گوشت لینے آتے، تو میں اُن کو وہ گوشت دیتا ہوں۔

***

عروسِ اُردو کیلئے رومن فراک ۔ابونثر

ہمارے ہاں اردو کا غلط تلفظ عام کرنے میں سلطنتِ روما کے ماہرینِ لسانیات کا بڑا ہاتھ ہے۔ نہ وہ رومن حروف ایجاد کرتے نہ ہماری اُردو خراب ہوتی۔ اس خرابی سے ہمارا ہر شہر خرابہ بن رہا ہے۔ کسی بھی شہر میں کسی طرف نکل جایئے، بڑے بڑے اشتہاری تختوں پر آپ کی انگریزی خوانی کا امتحان لیا جارہا ہوگا کہ دیکھیں تو سہی کہ آپ Khana کو 'کھانا' پڑھتے ہیں یا 'خانہ'؟ دُکانوں کے نام ہوں، دُکان داروں کے دیے ہوئے تھیلے ہوں یا پرچہ اشتہار، سب پر رومن حروف میں لکھی ہوئی اردو آپ کو زبان چڑا رہی ہوگی۔ چڑ کر گھر میں آ بیٹھیں تو اخبارات اور برقی ذرائع ابلاغ خود آپ کے گھر میں گھس کر اُسی زبان کا حلیہ بگاڑنے پر تُلے نظر آئیں گے جس زبان کو انھوں نے خود ہی اپنے ذریعہ ابلاغ کے طور پر منتخب کیا ہے۔ نشریاتی اداروں سے اردو میں نشر کیے جانے والے پروگراموں کے نام ہوں، ڈراموں کے عنوان ہوں یا ان کے مصنفین اور اداکاروں کے نام، سب کے سب رومن رسم الخط میں دکھائے جارہے ہوں گے۔ نہ جانے کس نے اُنھیں یہ پٹّی پڑھا دی ہے کہ تمھاری طرح تمھارے ناظرین بھی جاہل ہیں، اُردو حروف پڑھ نہیں پائیں گے۔ ہمارے مغرب پرست ماہرین ابلاغیات کی یہ مجبوری تو ہے ہی کہ وہ کسی زبان کے ماہر نہیں۔ اچھی طرح انگریزی آتی ہے نہ بُری بھلی اُردو۔ مگر اس سے بھی بڑی مجبوری یہ ہے کہ ناظرین کی شرح میں اضافے کی جو دوڑ لگی ہوئی ہے، اُس میں آگے بڑھنا اُردو زبان کو ذریعہ ابلاغ بنائے بغیر ممکن ہی نہیں۔ کیوں کہ اس ملک کی قومی زبان اُردو ہے، عوامی زبان اُردو ہے اور ملک کی مختلف زبانیں بولنے والوں کے مابین رابطے کی زبان بھی اُردو ہی ہے۔ مگر یہ جو ناک میں انگریزی بولنے والا نکٹا ولایتی بھوت سر پر سوار ہوگیا ہے، وہ اُن سے اردو بھی انگریزی حروف میں لکھواتا ہے۔ بدیسی تجارتی اداروں کے اشتہارات نے تو اس دیس کی زبان بگاڑنے کو اپنا ہدف یا نصب العین ہی بنا لیا ہے۔ اگر وہ رومن حروف میں ''پیو اور جیو'' نہیں لکھیں گے تو شاید پی پی کر جینے والوں کو اُن کے مشروبات کی تیزابیت محسوس نہیں ہوگی۔ آج کل لوگ سمجھتے ہیں کہ رومن حروف میں اردو لکھنے کی وبا جدید ابلاغی آلات کی عطا ہے۔ یہ ابلاغی آلات بھی دیکھتے ہی دیکھتے ہماری زندگیوں میں بالکل اُسی طرح دخیل ہوگئے، جیسے کڑکتی سردی میں کسی بدُّو کے خیمے میں اُس کا اونٹ پہلے صرف گردن ڈالنے کی اجازت چاہتا ہے، پھر رفتہ رفتہ اونٹ اندر اور بدُّو باہر۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ ہم بین الاقوامی رابطے کے نظام یعنی International Network سے روشناس کرائے گئے، جس کا مخفف Net.Inter ہے۔ اس عالمی ربط پر برساتی کھمبیوں کی طرح بہت سے سماجی ذرائع ابلاغ اُگ آئے۔ ابتدا میں ان جدید آلات پر تحریر کرنے کے لیے اردو کی تختی میسر نہ تھی، اس وجہ سے لوگوں نے مجبوراً رومن حروف میں اردو لکھنے سے ان ذرائع کو استعمال کرنے کا آغاز کیا۔ مگر بہت جلد اُردو اپنا رسم الخط لے کر تمام سماجی ذرائع ابلاغ تک پہنچ گئی۔ لہٰذا اب اردو پیغام رسانی کی راہ میں کوئی مجبوری حائل نہیں رہی، معذوری البتہ حائل ہوسکتی ہے۔ پاکستان کے اندر رومن حروف میں اردو تحریر کرنے کا فتنہ سب سے پہلے ایوب خان کے ''دورِ انقلاب'' میں اُٹھا۔ تہذیبِ حاضر کی چمک دمک سے خیرہ نظری کا شکار ہوجانے والے دیگر اذہان کے مثل، ایوب خان کا بھی خیال تھا کہ مصطفیٰ کمال پاشا کی طرح رومن رسم الخط اختیار کر لینے سے ہم بھی ترقی کی راہ پر دوڑنے لگیں گے۔ مگر آج کی طرح اُس زمانے میں بھی اردو نے اپنی بقا کی جنگ پوری قوت سے لڑی اور اپنے آپ کو توانا زبان ثابت کرکے اپنا رسم الخط بچا لیا۔ برصغیر میں رومن رسم الخط پہلی بار کب استعمال ہوا؟ اس ضمن میں مولانا عبدالقدوس ہاشمی کی ایک تحریر، جو ایوب خان کی تجویز کے جواب میں اُردو کالج کراچی کے مجلّے ''برگِ گُل'' کے ''ایوب نمبر'' میں 1960ء میں شائع ہوئی، ہمیں بتاتی ہے:۔ ''اس تجویز کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ یورپی تاجروں نے اپنے کارندے، جو وہ یورپ سے لاتے تھے، ان کو یہاں کے مقامی الفاظ، خصوصاً افراد اور مقامات کے نام یاد کرانے کی یہ ترکیب نکالی تھی اور اس کام کے لیے یہ ترکیب تھی صحیح، کیونکہ فارسی حروف انہیں سکھانا مشکل تھا''۔

(بحوالہ ''معارف فیچر'' شمارہ 16 مارچ 2014ء۔
شائع کردہ: اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی)

اُسی زمانے کی ایک دلچسپ تقریر ہمیں سابق مغربی پاکستان کے چیف جسٹس محمد رستم کیانی کے مجموعہ تقاریر ''افکارِ پریشاں'' میں ملتی ہے۔ جسٹس کیانی نے مدیر ''چراغِ راہ'' پروفیسر خورشید احمد کے ایک سوال کے جواب میں جو کچھ کہا، اُس سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔ سوال یہ تھا: ''کیا اردو زبان کا موجودہ رسم الخط کسی تبدیلی کا متقاضی ہے؟''

رُوح افزا شربت کی تاریخ

رحبل خوشاب

بھارت کے شہر پیلی بھیت کے رہائشی شیخ رحیم بخش کے یہاں سن 1883 میں بیٹے کی پیدائش ہوا جس کا نام عبدالمجید رکھا گیا۔ یہی عبدالمجید آگے چل کر حکیم محمد سعید کے والد بنے۔ آٹھ برس پیلی بھیت میں رہائش کے بعد شیخ رحیم بخش دہلی کے علاقے حوض قاضی منتقل ہو گئے۔ تعلیم سے فراغت پر حکیم حافظ حاجی عبدالمجید بانی دواخانہ ہمدرد کا نکاح رابعہ بیگم سے ہوا۔ آپ انتہائی نیک، اطاعت اور خدمت گزار، نماز وروزہ کی پابند، پردہ کی پابند، محنتی، وفاشعار اور معاملہ فہم خاتون تھیں۔ حکیم محمد سعید کے والد حکیم عبدالمجید ایک مستقل مزاج شخص تھے۔ آپ کو ادویات کے خواص میں خاص دلچسپی تھی۔ شوق اور مہارت کے باعث انھوں نے مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے قائم کردہ ہندوستانی دواخانے میں ملازمت کر لی۔ اس عرصے میں طب کا مطالعہ بڑی گہرائی اور طب کی متعدد کتابوں کا مطالعہ بڑی باریک بینی سے کیا۔ آپ کو جڑی بوٹیوں سے گہرا شغف تھا اور ان کی پہچان کا ملکہ حاصل تھا آخر کار انہوں نے نباتات کے میدان میں اُترنے کا نہ صرف فیصلہ کیا بلکہ بیماریوں کی شفاء کے لیے ہندوستان بھر سے جڑی بوٹیاں حاصل کرنے کا بھی فیصلہ کیا۔ بقول حکیم محمد سعید ''آپ ایک بلند پایہ نبض شناس اور جڑی بوٹیوں کے ماہر بھی۔ حکیم عبدالمجید بڑی محنت سے حکیم اجمل خان کے ساتھ کام کر رہے تھے کہ انھیں احساس ہوا کہ حکیم اجمل صاحب ان کی دیانت پر شک کرنے لگے ہیں۔ غیرت فطرت نے یہ شبہ برداشت نہ کیا اور اس عظیم انسان نے ایک تاریخ ساز فیصلہ کیا۔ 1904ء میں اپنے سسر سے کچھ پیسے لے کر ہمدرد کی بنیاد ڈالی اور اس کے ساتھ ساتھ جڑی بوٹیوں کی تجارت بھی شروع کی۔ ہمدرد دکان کو چلانے کے لیے حکیم عبدالمجید نے نباتات سے دوائیں بنانا شروع کیں اور ان کی اہلیہ رابعہ بیگم نے ہر مرحلے پر اپنے شوہر کا ہاتھ بٹایا۔ ہمدرد دواخانے کی پہلی دوائی ''حب مقوی معدہ'' تھی۔ رابعہ بیگم اور ان کی بہن فاطمہ بیگم دونوں عبدالمجید صاحب کا ہاتھ بٹاتی تھیں اور سل بٹے سے نباتات پیس کر ہاتھ سے گولیاں بناتی تھیں۔

حوض قاضی سے ہمدرد کی منتقلی لال کنویں کی ایک دکان میں ہوئی اور جب اس کاروبار میں وسعت پیدا ہوئی تو اس کو لال کنویں سے اس کی ابتدائی جگہ منتقل کرنا پڑا۔ طب مشرق کا شہرہ آفاق شربت روح افزا بلاشبہ نہ صرف ہندو پاک کی ثقافت کی پہچان بن چکا ہے بلکہ اس کی سینکڑوں نقلیں بھی تیار کی گئیں اور اس کے بعد ہی مختلف دواخانوں نے اس جیسے ک ءلال شربت ملتے جلتے ناموں سے تیار کرنا شروع کئے۔۔ آج بھی روح افزا انڈیا اور پاکستان کی ہمدرد لیبارٹریز میں انتہاء بڑے پیمانے پر تیار کیا جاتا ہے اور تمام دنیا میں ایکسپورٹ کیا جاتا ہے۔ حکیم عبدالمجید کے ہمدرد دواخانے میں حکیم استاد حسن خان بھی طبیب اور ادویہ سازی کے شعبے سے وابستہ تھے۔ ان کا تعلق بھارتی صوبے اتر پردیش کے شہر سہارنپور سے تھا لیکن تلاش معاش میں وہ دہلی آ بسے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد وہ ہجرت کر کے کراچی آ گئے۔ سن 2003ء تک وہ کراچی میں مقیم تھے اور ان کی عمر غالباً ''120 سال ہوگی انہوں نے ہی ایک انٹرویو میں اپنی یادوں کے اوراق پلٹتے ہوئے روح افزا کی تیاری کی داستان سنائی یہی وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے روح افزا کا پہلا نسخہ ترتیب دیا تھا۔۔ یہ سن 1907ء کی بات ہے۔ اس زمانے میں مختلف پھلوں، پھولوں اور جڑی بوٹیوں کے شربت انفرادی طور پر دستیاب تھے۔ مثلاً ''شربت گلاب، شربت، صندل، شربت انار، شربت سنگترہ، شربت کیوڑہ، وغیرہ وغیرہ جو اپنی تاثیر اور ذائقے کے لحاظ سے بھی مختلف تھے۔۔ ہمدرد دواخانہ کے بانی چاہتے تھے کہ پھلوں، پھولوں اور جڑی بوٹیوں کو ملا کر ایک ایسا بے نظیر و بے مثال نسخہ ترتیب دیا جائے جو ذائقے اور تاثیر میں اپنی مثال آپ ہو اور ایسا معتدل ہو کہ بچے سے بوڑھا تک ہر مزاج کا شخص اس کو استعمال کر سکے یہیں سے روح افزا کی تیاری پر کام شروع ہوا۔ حکیم استاد حسن خان نے اپنی تمام حکمت اور خواص جڑی بوٹیاں کا تجربہ روح افزا کے نسخہ و ترکیب میں سمو دیا اگر صرف روح افزا کی تیاری پر ہی ان کو استاد کے لقب سے نوازا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ لیکن کیسی افسوس اور حیرت کی بات ہے کہ یہ شخص گمنامی کی زندگی بسر کر گیا ورنہ بجا طور پر تمغہ حسن کارکردگی کا مستحق تھا۔ انڈیا کے ہمدرد وقف دواخانہ و لیبارٹریز کی ویب سائٹ پر ان کا تعارف بحیثیت روح افزا کے اولین نسخہ ساز کی حیثیت سے درج ہے۔ روح افزا میں شامل چیدہ چیدہ اجزا اپنی تاثیر میں بے مثل تھے جڑی بوٹیوں میں حکیم صاحب نے تخم خرفہ، منقہ، کاسنی، نیلوفر، گاؤزبان، ہرا دھنیا وغیرہ، پھلوں میں سنگترہ، انناس، گاجر، تربوز، وغیرہ۔ سبزیوں میں سے پالک، پودینہ، ہرا کدو، وغیرہ۔۔ پھولوں میں، گلاب، کیوڑہ، لیموں اور نارنگی کے پھولوں کا رس،، خوشبو اور ٹھنڈک میں بے مثال خس اور صندل کی لکڑی وغیرہ ان تمام اجزا اور عرقیات کو ایک خاص ترتیب سے ملا کر جو شربت تیار ہوا وہ بلاشبہ روح افزا کہلانے کا ہی مستحق تھا جو دیکھتے ہی دیکھتے طب مشرق پر چھا گیا اور آج تقریباً ''110 سال گزرنے کے باوجود اس کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔۔

مسلم حکمران اور پروپیگنڈا

رجل خوشاب

چند سال سے اس ملک کے ٹیلیویژن چینلز پر تعلیم کے نام پر سفید جھوٹ پر مبنی پروگرام چلائے جا رہے ہیں اور یہ باور کرانے کی کوشش ہے کہ جب یورپ میں یونیورسٹیاں کھل رہی تھیں تو مسلم بادشاہ تاج محل اور شالامار باغ بنا رہے تھے۔ میری یہ تحریر مختلف مصنفین کے متعلقہ کالمز اور پروفیسرز، مورخین یا محققین کی تحقیق کے اس حصہ پر مبنی ہے جو میں نے ذاتی تحقیق کے بعد درست پائے۔ اس تحریر میں میرے اپنے الفاظ کم اور مندرجہ بالا شخصیات کے الفاظ زیادہ ہیں۔ تاریخ کی گواہی بعد میں پیش کروں گا پہلے بنیادی عقل کا ایک درس پیش کروں۔ ان چینلز یا پروگرامز میں اگر کوئی سمجھ بوجھ والا آدمی بیٹھا ہوتا تو اس کو سمجھنے میں یہ مشکل نہیں آتی کہ مسلم دور کی شاندار عمارات جس عظیم تخلیقی صلاحیت سے تعمیر کی گئیں، وہ دو چیزوں کے بغیر ممکن نہ تھیں۔ پہلی فن تعمیر کی تفصیلی مہارت، جس میں جیومیٹری، فزکس، کیمسٹری اور ڈھانچے کے خدوخال وضع کرنے تک کے علوم شامل ہوتے ہیں۔ دوسری کسی ملک کی مضبوط معاشی اور اقتصادی حالت اس قدر مضبوط کہ وہاں کے حکمران شاندار عمارات تعمیر کرنے کا خرچ برداشت کر سکیں۔

معاشی حوالے سے ہندوستان بالعموم مسلم ادوار اور بالخصوص مغلیہ دور (اکبر۔ عالگیر) میں دنیا کے کل GDP میں اوسطاً 25٪ فیصد حصہ رکھتا تھا۔ درآمدات انتہائی کم اور برآمدات انتہائی زیادہ تھیں اور آج ماہر معاشیات جانتے ہیں کہ کامیاب ملک وہ ہے جس کی برآمدات زیادہ اور درآمدات کم ہوں۔ سترویں صدی میں فرانسیسی سیاح فرانکیوس برنیر ہندوستان آیا اور کہتا ہے کہ ہندوستان کے ہر کونے میں سونے اور چاندی کے ڈھیر ہیں۔ اسی لئے سلطنت مغلیہ ہند کو سونے کی چڑیا کہتے تھے

اب تعمیرات والے اعتراض کی طرف آتے ہیں۔ فن تعمیر کی جو تفصیلات تاج محل، شیش محل، شالامار باغ، مقبرہ ہمایوں، دیوان خاص وغیرہ وغیرہ میں نظر آتی ہے، اس سے لگتا ہے کہ انکے معمار جیومیٹری کے علم کی انتہاؤں کو پہنچے ہوئے تھے۔ تاج محل کے چاروں مینار صرف آدھا انچ باہر کی جانب جھکائے گئے تاکہ زلزلے کی صورت میں گرے تو گنبد تباہ نہ ہوں۔ مستری کے اینٹیں لگانے سے یہ سب ممکن نہیں، اس میں حساب کی باریکیاں شامل ہیں۔ پورا تاج محل 90 فٹ گہری بنیادوں پر کھڑا ہے۔ اس کے نیچے 30 فٹ ریت ڈالی گئی کہ اگر زلزلہ آئے تو پوری عمارت ریت میں گھوم سی جائے اور محفوظ رہے لیکن اس سے بھی حیرانی کی بات یہ ہے کہ اتنا بڑا شاہکار دریا کے کنارے تعمیر کیا گیا ہے اور دریا کنارے اتنی بڑی تعمیر اپنے آپ میں ایک چیلنج تھی، جس کے لئے پہلی بار ویل فاونڈیشن (well foundation) متعارف کرائی گئی یعنی دریا سے بھی نیچے بنیادیں کھود کر انکو پتھروں اور مصالحہ سے بھر دیا گیا، اور یہ بنیادیں سینکڑوں کی تعداد میں بنائی گئی گویا تاج محل کے نیچے پتھروں کا پہاڑ اور گہری بنیادوں کا وسیع جال ہے، اسطرح تاج محل کو دریا کے نقصانات سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ عمارت کے اندر داخل ہوتے ہوئے اسکا نظارہ فریب نظر یعنی (Optical illusion) سے بھرپور ہے۔

یہ عمارت بیک وقت اسلامی، فارسی، عثمانی، ترکی اور ہندی فن تعمیر کا نمونہ ہے۔ یہ فیصلہ کرنے کے لئے حساب اور جیومیٹری کی باریک تفصیل درکار ہے۔ پروفیسر ایبا کوچ (یونیورسٹی آف وینیا) نے حال میں ہی تاج محل کے اسلامی اعتبار سے روحانی پہلو واضح (decode) کئے ہیں۔ اور بھی کئی راز مستقبل میں سامنے آ سکتے ہیں۔ انگریز نے تعمیرات میں (well foundation) کا آغاز انیسویں صدی اور (optical illusions) کا آغاز بیسویں صدی میں کیا۔ جب کہ تاج محل ان طریقہ تعمیر کو استعمال کر کے سترھویں صدی کے وسط میں مکمل ہو گیا تھا۔ آج تاج محل کو جدید مشینری اور جدید سائنس کو استعمال کرتے ہوئے بنایا جائے تو 1000 ملین ڈالر لگنے کے باوجود ویسا بننا تقریباً ناممکن ہے۔ ٹائل موزیک فن ہے، جس میں چھوٹی چھوٹی رنگین ٹائلوں سے دیوار پر تصویریں بنائی جاتی اور دیوار کو منقش کیا جاتا ہے۔

یہ فن لاہور کے شاہی قلعے کی ایک کلومیٹر لمبی منقش دیوار اور مسجد وزیر خان میں نظر آتا ہے۔ ان میں جو رنگ استعمال ہوئے، انکو بنانے کے لئے آپ کو موجودہ دور میں پڑھائی جانے والی کیمسٹری کا وسیع علم ہونا چاہیئے۔ یہی حال فریسکو پینٹنگ کا ہے، جن کے رنگ چار سو سال گزرنے کے باوجود آج تک مدھم نہیں ہوئے۔ تمام مغل ادوار میں تعمیر شدہ عمارتوں میں ٹیراکوٹا (مٹی کو پکانے کا فن) سے بنے زیر زمین پائپ ملتے ہیں۔ ان سے سیوریج اور پانی کی ترسیل کا کام لیا جاتا تھا۔ کئی صدیاں گزرنے کے باوجود یہ اپنی اصل حالت میں موجود ہیں۔ مسلم فن تعمیر کا مکمل علم حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور موجودہ دور کے سائنسی پیمانوں پر ایک نصاب کی صورت تشکیل دیا جائے تو صرف ایک فن تعمیر کو مکمل طور پر سیکھنے کے لیے پی ایچ ڈی (phd) کی کئی ڈگریاں درکار ہوں گی۔ کیا یہ سب کچھ اس ہندوستان میں ہو سکتا تھا، جس میں جہالت کا دور دورہ ہو اور جس کے حکمرانوں کو علم سے نفرت ہو؟ یہ مسلم نظام تعلیم ہی تھا جو سب کے لئے یکساں تھا، جہاں سے بیک وقت عالم،

صوفی، معیشت دان، طبیب، فلسفی، حکمران اور انجینئر نکلتے تھے۔ شیخ احمد سرہندی رح ہوں یا جھانگیر ہو یا استاد احمد لاہوری ہو، یہ سب مختلف گھرانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود ایک ہی تعلیمی نظام میں پروان چڑھے، اسی لئے ان سب کی سوچ انسانی مفاد کے لئے تھی۔ مزید بھی میں مغربی مصنفین کی گواہی پیش کروں گا، اسلئے کہ میرے ان ''عظیم'' صاحبان علم کو کسی مسلمان یا لوکل مصنف کی گواہی سے بھی بو آتی ہے۔ ول ڈیورانٹ مغربی دنیا کس مشہور ترین مورخ اور فلاسفر ہے۔ وہ اپنی کتاب story of civilization میں مغل ہندوستان کے بارے میں لکھتا ہے ہر گاوں میں ایک سکول ماسٹر ہوتا تھا جسے حکومت تنخواہ دیتی تھی۔ انگریزوں کی آمد سے پہلے صرف بنگال میں 80 ہزار سکول تھے۔ ہر 400 افراد پر ایک سکول ہوتا تھا. ان سکولوں میں 6 مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ گرائمر، آرٹس اینڈ کرافٹس، طب، فلسفہ، منطق اور متعلقہ مذہبی تعلیمات۔ اس نے اپنی ایک اور کتاب

A Case For India میں لکھا کہ مغلوں کے زمانے میں صرف مدراس کے علاقے میں ایک لاکھ 25 ہزار ایسے ادارے تھے، جہاں طبی علم پڑھایا جاتا اور طبی سہولیات میسر تھیں. میجر ایم ڈی باسو نے برطانوی راج اور اس سے قبل کے ہندوستان پر بہت سی کتب لکھیں۔ وہ میکس مولر کے حوالے سے لکھتا ہے بنگال میں انگریزوں کے آنے سے قبل وہاں 80 ہزار مدرسے تھے۔ اورنگزیب عالمگیر رح کے زمانے میں ایک سیاح ہندوستان آیا۔ جس کا نام الیگزینڈر ہملٹن تھا۔ اس نے لکھا کہ صرف ٹھٹھہ شہر میں علوم وفنون سیکھانے کے 400 کالج تھے۔ میجر باسو نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ہندوستان کے عام آدمی کی تعلیم یعنی فلسفہ، منطق اور سائنس کا علم انگلستان کے رئیسوں حتیٰ کہ بادشاہ اور ملکہ سے بھی زیادہ ہوتا تھا۔ جیمز گرانٹ کی رپورٹ یاد رکھے جانے کے قابل ہے۔ اس نے لکھا تعلیمی اداروں کے نام جائیدادیں وقف کرنے کا رواج دنیا بھر میں سب سے پہلے مسلمانوں نے شروع کیا۔

1857ء میں جب انگریز ہندوستان پر مکمل قابض ہوئے تو اس وقت صرف روہیل کھنڈ کے چھوٹے سے ضلع میں، 5000 اساتذہ سرکاری خزانے سے تنخواہیں لیتے تھے۔ مذکورہ تمام علاقے دہلی یا آگرہ جیسے بڑے شہروں سے دور مضافات میں واقع تھے۔

انگریز اور ہندو مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ تعلیم کا عروج عالمگیر رح کے زمانے میں اپنی انتہا کو پہنچا۔ عالمگیر رح نے ہی پہلی دفعہ تمام مذاہب کے مقدس مذہبی مقامات کے ساتھ جائیدادیں وقف کیں۔ سرکار کی جانب سے وہاں کام کرنے والوں کے لئے وظیفے مقرر کئے. اس دور کے 3 ہندو مورخین سجان رائے کھتری، بھیم سین اور ایشور داس بہت معروف ہیں. سجان رائے کھتری نے خلاصہ التواریخ، بھیم سین نے نسخہ دلکشا اور ایشور داس نے فتوحات عالمگیری لکھی۔ یہ تینوں ہندو مصنفین متفق تھے کہ عالمگیر نے پہلی دفعہ ہندوستان میں طب کی تعلیم پر ایک مکمل نصاب بنوایا اور طب اکبر، مفرح القلوب، تعریف الامراض، مجربات اکبری اور طب نبوی جیسی کتابیں ترتیب دے کر کالجوں میں لگوائیں تا کہ اعلیٰ سطح پر صحت کی تعلیم دی جا سکے۔ یہ تمام کتب آج کے دور کے MBBS نصاب کے ہم پلہ ہیں۔ اورنگزیب سے کئی سو سال پہلے فیروز شاہ نے دلی میں ہسپتال قائم کیا، جسے دارالشفاء کہا جاتا تھا. عالمگیر نے ہی کالجوں میں پڑھانے کے لیے نصابی کتب طب فیروز شاہی مرتب کرائی. اس کے دور میں صرف دلی میں سو سے زیادہ ہسپتال تھے. تاریخ سے ایسی ہزاروں گواہیاں پیش کی جا سکتی ہیں۔ ہو سکے تو لاہور کے انارکلی مقبرہ میں موجود ہر ضلع کی مردم شماری رپورٹ ملاحظہ فرمالیں۔ آپکو ہر ضلع میں شرح خواندگی 80 فیصد سے زیادہ ملے گی جو اپنے وقت میں بین الاقوامی سطح پر سب سے زیادہ تھی، لیکن انگریز جب یہ ملک چھوڑ کر گیا تو صرف 10 ٪ تھی۔ بنگال 1757ء میں 7 یا اور اگلے 34 برسوں میں سبھی سکول و کالج کھنڈر بنا دیئے گئے۔ ایڈمنڈ بروک نے یہ بات واضح کہی تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مسلسل دولت لوٹی جس وجہ سے ہندوستان بدقسمتی کی گہرائی میں جا گرا۔ پھر اس ملک کو تباہ کرنے کے لئے لارڈ کارنیوالس نے 1781ء میں پہلا دینی مدرسہ کھولا۔ اس سے پہلے دینی اور دنیاوی تعلیم کی کوئی تقسیم نہ تھی۔ ایک ہی مدرسہ میں قرآن بھی پڑھایا جاتا تھا، فلسفہ بھی اور سائنس بھی. یہ تاریخ کی گواہیاں ہیں۔

لیکن اشتہار و پروگرام بنانے والے جھوٹ کا کاروبار کرنا چاہیں تو انہیں یہ باطل اور مرعوب نظام نہیں روکتا۔ مجھے دہلی جانے کا اتفاق ہوا ہے اور ان تعمیرات کا مشاہدہ کیا ہے، آپ یقین کیجیئے کہ ان عمارات کے سحر سے نکلنا ایک مشکل کام ہوتا تھا اور فخر اور حیرانی ہوتی تھی کہ ان ادوار میں مشین کا وجود نہ ہونے کے باوجود ایسے شاہکار تعمیر کرنا ناممکن لگتا ہے۔ لاہور میں مغلیہ فن تعمیر پر کبھی نظر دوڑایئے۔ آپ انجینئرنگ کے کارناموں پر محو حیرت رہ جائیں گے کیونکہ جب یورپ یونیورسٹیاں بنا رہا تھا تو یہاں وہ تعلیمات عام ہو چکی تھیں لیکن یہ موجودہ ظالم نظام جہاں ہمیں اپنی اعانت کے لئے اپنا کلرک بناتا ہے وہاں ہماری عظیم تاریخ کو بھی مبہم بناتا ہے۔ تحریر کا اختتام کرنے کے لئے بہت کچھ ہے لیکن ایک سنہری قول سے اختتام کروں گا۔ آج مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ انہیں ذرائع ابلاغ (Media) کا پروپیگنڈا بہا کے لے گیا۔ (کاپی از پاسبان علم وادب)

***

غزل۔ فرزانہ فرحت لندن

مری خواہش ہے میرے پاس بھی دو پل ٹھہر جائے
سدا جو اجنبی بن کر برابر سے گزر جائے
یہاں پر پھول کھل جائیں مری بیلیں مہک اٹھیں
قدم تیرا پڑے جب جب مرا آنگن سنور جائے
جدائی بھی تری مرغوب ہے مجھ کو بہت جاناں
کہ اُس میں میرا چہرہ پہلے سے بڑھ کر نکھر جائے
اگرچہ چاہتی ہوں دوریوں میں بھی تری قربت
مگر یہ کیا کہ تو آئے تو دل اک بار ڈر جائے
مری دہلیز کو تو چومتا ہے کس محبت سے
گلی سے ہو کے میری جب کبھی تو اپنے گھر جائے
کہیں فرحت نہ وہ انکار کر دے ساتھ چلنے سے
کہیں بیکار نہ اب کے مرا رختِ سفر جائے

ہمارا معاشرہ

عاصی صحرائی

آج سے 18 سال قبل پنجاب یونیورسٹی کی ایک طالبہ، وجیہہ عروج، نے یونیورسٹی پر ایک بہت دلچسپ کیس کیا۔ انہیں ایک پرچے میں غیر حاضر قرار دیا گیا تھا جبکہ وہ اس دن پرچہ دے کر آئی تھیں۔ یہ صاف صاف ایک کلرک کی غلطی تھی۔ وجیہہ اپنے والد کے ہمراہ ڈیپارٹمنٹ پہنچیں تا کہ معاملہ حل کر سکیں۔ وہاں موجود ایک کلرک نے ان کے والد سے کہا 'آپ کو کیا پتہ آپ کی بیٹی پیپر کے بہانے کہاں جاتی ہے۔' یہ جملہ وجیہہ پر پہاڑ بن کر گرا۔ وہ کبھی کلرک کی شکل دیکھتی تو کبھی اپنے والد کی۔ انہیں سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کریں۔ وہ اپنے ہی گھر والوں کے سامنے چور بن گئیں۔ وہ کہتی ہیں کہ ان کی والدہ بھی انہیں عجیب نظروں سے دیکھنا شروع ہو گئی تھیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ کلرک صرف اپنے کام سے کام رکھتا۔ وجیہہ کے بارے میں اپنی رائے دینے کی بجائے وہ حاضری رجسٹر چیک کرتا یا اس دن کے پرچوں میں ان کا پرچہ ڈھونڈتا۔ لیکن اس نے اپنے کام کی بجائے وجیہہ کے بارے میں رائے دینا زیادہ ضروری سمجھا، یہ سوچے بغیر کہ اس کا یہ جملہ وجیہہ کی زندگی کس قدر متاثر کر سکتا ہے۔ وجیہہ نے یونیورسٹی پر کیس کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کیس میں ان کا ساتھ ان کے والد نے دیا۔ کیس درج ہونے کے چار ماہ بعد یونیورسٹی نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے عدالت میں ان کا حل شدہ پرچہ پیش کر دیا لیکن معاملہ اب ایک ڈگری سے کہیں بڑھ کر تھا۔ وجیہہ نے یونیورسٹی سے اپنے کردار پر لگے دھبے کا جواب مانگا۔ یہ قانونی جنگ 17 سال چلتی رہی۔ گذشتہ سال عدالت نے وجیہہ کے حق میں فیصلہ سنایا اور یونیورسٹی کو آٹھ لاکھ روپے جرمانہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ وجیہہ نے اس ایک جملے کا بھار 17 سال تک اٹھایا۔ وہ توجی دار تھی، معاملہ عدالت تک لے گئی۔ ہر لڑکی ایسا نہیں کر سکتی۔ خاندان کی عزت ان کے بڑھتے قدم تھام لیتی ہے ورنہ یقین مانیں ہم میں سے ہر کوئی عدالت کے چکر کاٹتا پھرے اور اپنے منہ سے کسی لڑکی کے بارے میں نکلے ایک ایک جملے کی وضاحت دیتا پھرے۔ وجیہہ کے والدین نے ان کی ڈگری مکمل ہوتے ہی ان کی شادی کر دی۔ انہیں ڈر تھا کہ بات مزید پھیلی تو کہیں وجیہہ کے رشتے آنا ہی بند نہ ہو جائیں۔ وجیہہ بہت کچھ کرنا چاہتی تھیں لیکن اس ایک جملے کی وجہ سے انہیں وہ سب نہیں کرنے دیا گیا۔ وہ اپنی زندگی سے مطمئن ہیں لیکن ان کے دل میں کچھ نہ کر پانے کی کسک بھی موجود ہے۔ یہ مکمل تحریر انڈیپنڈنٹ اردو میں 6 نومبر 2019 کو شائع ہوئی جس کا کچھ حصہ یہاں بیان کیا گیا۔

***

پرنس ہیری کے حالات

شہزادہ چارلس اور لیڈی ڈیانا کا چھوٹا بیٹا پرنس ہیری ہے جسے ابتدائی تعلیم کے بعد بورڈنگ سکول میں بھیجا گیا جہاں اس کے داخلے کیلئے ایڈمشن ٹیسٹ پاس کرنا ضروری تھی، چنانچہ اس نے ٹیسٹ کی تیاری کی اور بمشکل پاس کر کے ایٹن کالج میں داخلہ لے سکا۔2003ء میں اس نے دو اے لیولز مکمل کئے، آرٹ میں گریڈ بی حاصل کیا اور جغرافیہ میں گریڈ ڈی سے بمشکل پاس ہوا۔اس کا رجحان آرٹ کے مضامین کی نسبت سپورٹس میں زیادہ تھا۔اس کی ٹیچر نے اس کی رپورٹ میں لکھا تھا کہ وہ ایک کمزور سٹوڈنٹ ہے اور ایسا لگتا ہے کہ ایٹن کالج نے اسے پاس ہونے میں مدد دی ہے۔

پرنس ہیری کی ٹیچر کی جانب سے جب یہ کمنٹس رپورٹ پر لکھے گئے تو کالج انتظامیہ نے فوری طور پر ان کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے پرنس ہیری کو پاس ہونے میں کوئی مدد نہیں دی۔تاہم کالج کے بورڈ آف گورنرز نے ایک کمیٹی بنا کر معاملے کی تحقیقات کا فیصلہ کیا۔اس کمیٹی نے تین ہفتے کام کر کے پتہ لگایا کہ پرنس ہری کو اگرچہ امتحانات میں کسی قسم کی مدد نہیں ملی، تاہم اسے اے لیول پاس کرنے کیلئے جو پراجیکٹ دیا گیا تھا، اس پر پراجیکٹ کی تکمیل میں چند ٹیچرز نے اسے مشورے یا ٹپس دی تھیں جو کہ روایات کے خلاف تھیں، چنانچہ ان ٹیچرز کو وارننگ جاری کی گئی اور انہوں نے اپنے اس فعل کی معافی بھی مانگی۔کالج سے فارغ ہونے کے بعد پرنس ہیری نے ایک سال آسٹریلیا میں مویشی فارم پر گزارا جہاں اس نے کیٹل فارمنگ کی بنیادی ٹریننگ حاصل کی اور اس کے ساتھ ساتھ گولف میں بھی حصہ لیا جس کیلئے وہ پہلے سے سیلیکٹ ہو چکا تھا۔آسٹریلیا سے واپسی پر 2005ء میں پرنس ہیری نے رائل ملٹری اکیڈیمی میں داخلہ لیا۔دو سال کی ٹریننگ کے بعد لیفٹیننٹ بن گیا۔

2006ء میں اس کی رجمنٹ کو عراق بھیجنے کا اعلان ہوا تو عوامی سطح پر بحث شروع ہوگئی کہ کیا برطانیہ کے شہزادے کو عراق کی جنگی محاذ پر بھیجنا درست ہوگا؟ برطانیہ کی وزارت دفاع نے بیان جاری کیا کہ پرنس ہیری اگر خود جانے سے انکار کردے تو اسے اپنا ملٹری کیریئر ترک کرنا ہوگا۔ پرنس ہیری نے عوامی مطالبے کے برخلاف عراق جانے کو ترجیح دی اور اعلان کیا کہ اگر اسے اگلے مورچوں پر نہ بھیجا گیا تو وہ احتجاجاً ملٹری چھوڑ دے گا۔ پرنس ہیری کا اگلا مشن افغانستان تھا جہاں وہ دو مرتبہ ڈپلائی کیا گیا۔ پہلی مرتبہ خفیہ طور پر 20 ہفتوں کیلئے، اور دوسری مرتبہ چھ ماہ کیلئے۔

2015ء میں پرنس ہیری نے ملٹری چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔2018ء میں ہیری نے امریکی اداکارہ میگھن مرکل سے لومیرج کر لی۔ پرنس ہیری اور اس کی بیوی میگھن ایک سال تک شاہی خاندان کے ساتھ رہے لیکن انہیں لگا کہ وہ اپنے فیصلے کرنے میں آزاد نہیں ہیں، چنانچہ اس سال کے آغاز میں پرنس ہیری نے اعلان کیا کہ وہ برطانوی شاہی خاندان کو چھوڑ کر ایک عام انسان کی طرح زندگی گزارے گا۔ چنانچہ وہ اپنی تمام سہولیات چھوڑ کر اپنی بیوی کے ساتھ پہلے کینیڈا منتقل ہوا، پھر وہاں سے امریکہ چلے گئے۔آج کی خبر کے مطابق پرنس ہیری اور اس کی بیوی ابھی تک مالی طور پر مشکلات کا شکار ہیں اور وہ اپنے پلان کے مطابق ابھی تک مالی طور انڈی پینڈنٹ نہیں ہو سکے۔ برطانوی شاہی خاندان کے ترجمان کا کہنا ہے کہ وہ پرنس ہیری کی مدد کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکیں گے کیونکہ ایک تو پرنس ہیری ان سے مدد نہیں لے گا، دوسرا شاہی خاندان کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ وہ امریکہ میں مقیم شاہی جوڑے کے اخراجات اُٹھا سکیں۔خبر کے مطابق پرنس ہیری ابھی تک اپنے باپ شہزادہ چارلس کی پرسنل انکم سے اُدھار لے رہا ہے جو کہ وہ عنقریب اپنے باپ کو واپس کر دے گا۔حال ہی میں پرنس ہیری کے ساتھ ایک امریکی تنظیم نے معاہدہ کیا ہے جس کے تحت وہ سال میں پچاس کے قریب اداروں میں لیکچر دے گا جن کا موضوع سماجی بہتری ہوگی۔اس کے عوض اسے ایک ملین ڈالر ملے گا جس سے پرنس ہیری کی مالی مشکلات کم ہوسکیں گی۔ یہ ہیں حالات اس شاہی خاندان کے جو دنیا کا سب سے قدیم اور سب سے زیادہ ممالک پر حکمران رہا۔ پرنس ہیری کو نہ تو کبھی دوران تعلیم کوئی خاص مدد مل سکی، نہ ہی اسے مہاراجوں کی طرح نوکری ملی، نہ ہی اس کے پاس اتنے وسائل ہیں کہ وہ لاس اینجلس میں اپنا گھر خرید سکے اور کاروبار شروع کر سکے۔ دوسری طرف پاکستانی سیاستدانوں کو دیکھیں۔ شریف اور زرداری خاندان نے ساری عمر انکم ٹیکس ریٹرنز میں خسارہ ظاہر کیا لیکن ان کی اولادیں برطانیہ، دبئی میں اربوں کی جائیدادوں کی مالک ہیں۔نواز شریف کے نالائق بیٹے 18 سال کی عمر میں لندن میں فیکٹریاں اور فلیٹ خرید چکے تھے جبکہ برطانیہ کا شہزادہ ہیری 35 سال کی عمر میں دو کمروں کا فلیٹ تک نہیں خرید سکا۔اگر مغربی ممالک ترقی یافتہ ہیں اور پاکستان کے حالات ویسے کے ویسے ہی ہیں تو اس کی وجہ وہ رویئے ہیں جو دونوں اطراف میں پائے جاتے ہیں۔مغرب میں آپ کو اصول پسندی ملے گی، ایمانداری ملے گی، خلوص ملے گا، پاکستان میں آپ کو کرپشن ملے گی، اقربا پروری ملے گی، حرامخوری ملے گی، ان سب کے ہوتے ہوئے آپ تاقیامت کبھی مغرب کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

***

انصاف کے تقاضے

رجل خوشاب

ایک نکھٹو کو بیوی نے کام کاج کے لیے کہا۔ست الوجود کے پاس اور تو کچھ نہ تھا، ایک مرغی تھی اٹھائی اور بازار کو چل دیا کہ بیچ کے کاروبار کا آغاز کرے۔راستے میں مرغی ہاتھ سے نکل بھاگی اور ایک گھر میں گھس گئی...وہ مرغی کے پیچھے گھر کے اندر گھس گیا۔مرغی کو پکڑ کے سیدھا ہوا ہی تھا کہ خوش رو خاتون خانہ پر نظر پڑی....ابھی نظر چار ہوئی تھی کہ باہر سے آہٹ سنائی دی۔ خاتون گھبرائی اور بولی کہ اس کا خاوند آ گیا ہے اور بہت شکی مزاج ہے اور ظالم بھی۔خاتون نے جلدی سے اسے ایک الماری میں گھسا دیا۔لیکن وہاں ایک صاحب پہلے سے تشریف فرما تھے۔اب اندر دبکے نکھٹو کو کاروبار سوجھا...آئیڈیا تو کسی جگہ بھی آ سکتا ہے۔سو اس نے دوسرے صاحب کو کہا کہ مرغی خریدو گے؟اس نے بھنا کے کہا کہ یہ کوئی جگہ ہے اس کام کی؟ خریدتے ہو یا شور کروں مجبور ہو کے اس نے کہا کہ: بولو کتنے کی؟ سو روپے کی....اتنی مہنگی خریدتے ہو یا شور کروں سو روپے کی مرغی بیچ کے نکھٹو بہت خوش ہوا...ایک دم دماغ میں روشنی ہوئی اوے مرغی بیچو گے؟ تمہارا دماغ تو خراب نہیں؟ بیچتے ہو یا کروں شور....؟ مرے ہوئے لہجے میں بولا" کتنے کی لو گے" پچاس کی...اللہ سے ڈر، ابھی سو کی مجھے بیچی ہے۔اللہ سے ڈرتے ہے تو یہاں الماری میں کیوں گھسے بیٹھے ہو....دیتے ہو یا کروں شور؟ نکھٹو نے مرغی پچاس کی خریدی اور چپکا بیٹھ گیا،لیکن ابھی کہاں ابھی تو بزنس شروع ہوا تھا... مرغی خریدو گے؟ اگر رقیب روسیاہ باہر مورچہ سنبھالے نہ بیٹھا ہوتا تو وہ اس کا سر توڑ دیتا،لیکن بےبسی سے بولا" کتنے کی دو گے؟" چلو! کیا یاد کرو گے اسی روپے دے دو حالانکہ ابھی میں نے یہ سو کی بیچی تھی لیکن واپس کسی طور واپس آ گئی بےبسی کے شدید احساس کے ساتھ پہلے شخص نے مرغی خرید لی۔مرغی بیچو گے؟مرغی خریدو گے؟ بیچو گے؟ خریدو گے؟ قصہء مختصر....مرغی خریدتے اور بیچتے نکھٹو نے چار سو روپے کما لیے اور ہاں بتانے کی بات کہ آخر میں مرغی اس نے واپس خرید لی...اس کامیاب تجارت کے بعد جب گھر لوٹا تو نیک دل بیوی نے سارا ماجرا سن کے حرام کمائی کا فتوی لگا دیا اور کہا کہ یہ کمائی گھر میں نہیں آئے گی...جھگڑا بڑھا تو اگلے روز قاضی شہر کے پاس جانے کا فیصلہ ہوا...میاں بیوی قاضی کی عدالت میں پہنچے تو قاضی یہ کہہ کے عدالت چھوڑ بھاگا کہ اوے تم یہاں بھی آ گئے ہو..میں نے اب یہ مرغی نہیں خریدنی....

(نتیجہ: جب قاضی طوائفوں کی الماریوں میں چھپنے لگیں تو عدالتوں میں انصاف نہیں ملتا...)اور ہاں یاد آیا عالمی رینکنگ میں پاکستانی عدالتیں 118 ویں نمبر پر ہیں۔شاید ہمار یقاضی بھی کسی کوٹھے کے کونے میں مرغیاں خرید، بیچ رہے ہیں۔

پاکستان کا خون کون چوس رہا ہے

کسی زمیندار کی بھینس نے دودھ دینا بند کر دیا،زمیندار بڑا پریشان ہوا اسے ڈاکٹر کے پاس لیکر گیا،ڈاکٹر نے ٹیکے لگائے لیکن کوئی فرق نہ پڑا،تھک ھار کر وہ بھینس کو پیر کے پاس ل گیا،شاہ جی نے دھونی رمائی، دم کیا، پھونک ماری لیکن وہ بھی بےسودرھی بھینس کو کوئی فرق نہ پڑا۔اسکے بعد وہ بھینس کو کسی سیانے کے پاس لے گیا،سیانے نے دیسی ٹوٹکے لگائے لیکن وہ بھی بیکار ثابت ہوئے آخر میں زمیندار نے سوچا کہ شاید اس کا کھانا بڑھانے سے مسئلہ ٹھیک ہو جائے! خوب کھل بنولہ کھلایا، کسی چیز کی کسر نہ چھوڑی لیکن بھینس نے دودھ دینا شروع نہ کیا۔لاچار ہو کر وہ اسے قصائی کے پاس لیکر جانے لگا کہ یہ اب کسی کام کی نہیں تو چلو ذبح ہی کروا لوں، راستے میں اسے ایک سائیں ملا سائیں بولا: پریشان لگتے ہو، زمیندار نے اپنی پریشانی بیان کی، سائیں نے کہا تم کٹا کہاں باندھتے ہو؟ زمیندار بولا بھینس کی کھُرلی کے پاس۔سائیں نے پوچھا: کٹے کی رسی کتنی لمبی ہے؟ زمیندار بولا: کافی لمبی ہے! سائیں نے اونچا قہقہہ لگایا اور بولا، سارا دودھ تو کٹا پی جاتا ہے! تمھیں کیا ملے گا،، کٹے کو بھینس سے دور باندھو! قومی اسمبلی اور سینیٹ کی 50 کمیٹیاں ھیں! اور ہر کمیٹی کا ایک چیئرمین ہے۔ہر چیئرمین کے ذاتی دفتر کی تیاری پر دو دو کروڑ روپے خرچ ہوئے ہیں۔ہر چیئرمین ایک لاکھ ستر ہزار روپے ماھانہ تنخواہ لیتا ہے، اسے گریڈ 17 کا ایک سیکرٹری، گریڈ 15 کا ایک سٹینو، ایک نائب قاصد، 1500cc گاڑی ٦٠٠ لیٹر پٹرول ماھانہ، ایک رہائش ر، ہائش کے سارے اخراجات بل وغیرہ اسکے علاوہ ملتے ہیں اسکے علاوہ اجلاسوں پر لگنے والے پیسے، دوسرے شہروں میں آنے جانے کیلئے فری جہاز کی ٹکٹ۔ایک اندازے کے مطابق یہ کمیٹیاں اب تک کھربوں روپوں کا دودھ پی چکی ہیں! اگر ان کٹوں کی رسی کو کم نہ کیا گیا تو یہ اجلاس اسی طرح جاری رہیں گے اور یہ کٹے ایسے ہی کھربوں روپوں کا دودھ پیتے رہیں گے! کیا پیٹ پر پتھر باندھنے اور کفایت شعاری کیلئے اقوال زرّیں صرف عوام کیلئے ہیں؟

***

(افسانہ) وہ کون تھا؟

امجد مرزا امجدؔ

گھنٹی کی آواز کے بعد دروازہ بجنے کی آواز نے اسے چونکا دیا اور آنکھیں ملتا ہوا اٹھا اور کمرہ کھول کر باہر جھانکا سورج کی تیز چمک سے اس کی آنکھیں پھر بند ہو گئیں دوپہر کا وقت تھا اور دھوپ کی تپش سے اس کے جسم میں سوئیاں سی چبھنے لگیں۔اس نے برا سا منہ بنایا اور بڑبڑایا ۔''یا اللہ... یہ کون اس وقت آ گیا ہے...'' گھنٹی پھر بجی اور ساتھ ہی دروازے پر کسی نے دستک بھی دی باہر کھڑا مہمان بھی دوپہر کی شدت سے اکتایا ہوا لگتا تھا...آتا ہوں جی ...! وہ وہیں سے چلایا اور برآمدہ عبور کر کے تپتے ہوئے صحن سے گزرتا ہوا دروازے تک گیا اور لمبی ڈھیلی سی زنگ آلود زنجیر کھولی اور دروازے کے ایک پٹ کو پکڑ کر دوسرا پٹ کھولا...جی! وہ اکتایا ہوا بولا ابھی تک نیند کی خماری نے اسے نڈھال کیا ہوا تھا۔بیٹے اندر تو آنے دو...بہت تپش ہے آج تو...'' اجنبی نے اس اپائیت سے کہا کہ وہ غیر ارادی طور پر پیچھے ہٹ گیا اور آنے والا بڑی بے تکلفی سے اندر آ گیا ابھی وہ زنجیر لگا کر پلٹا ہی تھا کہ اجنبی برآمدے میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے چندھیائی آنکھوں سے برآمدے میں کھڑے اجنبی کو دیکھا۔اور دھوپ کی تپش کی پرواہ کئے بغیر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے صحن کو عبور کرنے لگا۔آنے والا پچاس پچپن سال سے زیادہ نہ ہوگا سفید کھلتا ہوا رنگ ہلکی کنگ کٹ داڑھی جو اس کے گھول بھاری چہرے پر بہت بھلی لگ رہی تھی قد اتنا لمبا نہ تھا مگر جسم کی مناسبت سے بارعب تھا چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی جو نرم مزاجی کی علامت اور پہلی نظر میں متاثر کرتی تھی نجانے کیوں اس کی شکل مانوس سی لگی۔وہ جوں ہی برآمدے میں پہنچا اجنبی نے آگے بڑھ کر اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا اس کی گرفت مضبوط تھی اور گرمجوشی سے بھرپور۔'او میرے بیٹے...او میری جان...'' اس کی آواز میں ارتعاش تھا اور پھر وہ دھاڑیں مار کر رونے لگا۔کوئی ایسا رشتہ دار جسے وہ جانتا نہ ہو۔اس نے سوچا اور اس کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں اور ہاتھ خود بخود اٹھ گئے اور اجنبی سے لپٹ گئے ۔''او میری بہن...کتنا بدنصیب ہے یہ تیرا بھائی۔۔۔تو چلی گئی اور مجھے آج آنا نصیب ہوا۔۔۔''اوہ۔۔۔تو یہ میرا ماموں ہے۔۔۔مگر اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا۔۔۔۔۔کہاں تھا یہ۔۔۔۔ہاں ماں نے ایک دو بار ذکر تو کیا تھا۔۔۔۔کہ ایک میرا بھائی تھا۔۔۔۔۔مگر وہ کہاں ہے ۔۔۔۔یہ کبھی بھی ذکر نہیں ہوا۔۔۔۔ارے ماں زیادہ بولتی ہی کب تھی۔۔۔۔ وہ تو ابا کے مرنے کے بعد ایسی چپ ہوئی کہ کس نے اسے نہ بولتے دیکھا اور نہ ہنستے۔۔۔۔ماموں نے اسے ایک بار پھر بازوؤں میں دبایا اور سینے سے چمٹا کر پیٹھ پر تھپکی دی تو اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹا۔۔۔۔اب اسے کچھ الجھن سی ہونے لگی تھی اس نے آہستہ سے ہاتھ ماموں کے بازوؤں پر رکھ کر پرے ہٹایا۔۔۔۔دونوں مردوں کی آنکھیں چار ہوئیں جو آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور چہرے پر گہرے دکھ کے سائے تھے۔''اللہ کی یہی مرضی تھی۔۔۔۔ ماموں جی!'' وہ اسے ماموں جی کہنے سے ہچکچایا۔''آیئے اندر چلئے باہر بہت گرمی ہے''اور بازو تھامے وہ ماموں کو اندر لے آیا اور دروازہ بند کر دیا کمرے میں ٹھنڈا ٹھنڈا اندھیرا پھیلنے سے گرمی کی شدت جیسے فوراً ختم ہو گئی ہو...اس نے ماموں کو دیکھا...ان کی نگاہوں میں بہت سے سوال تھے...''ہاں بیٹے۔۔۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو...میرا نام یاسین ہے میں تمہاری ماں سے چار سال چھوٹا ہوں مجھ سے چھوٹی زکیہ ملتان بیاہی ہوئی ہے وہ بھی غالباً آئی تھی''۔''جی چھوٹی خالہ آئی تھی۔۔۔۔بڑا بیٹا بھی تھا ان کے ساتھ۔'' اس نے تائید کی۔''ہاں لائی ہوگی اپنے بیٹے کو بھی اس سے ملے ہوئے بھی ایک زمانہ گزر گیا اس کا خاوند بہت بخیل فطرت انسان ہے شادی کے بعد اس کمبخت نے اسے کسی رشتہ دار سے بھی ملنے کی اجازت نہ دی اب مرنے کے بعد کوئی آئے تو کس کام کا...'' پھر انہوں نے ایک سرد آہ بھری۔''مگر میں کسی کو کیوں الزام دوں میں بھی تو آج آیا جب وہ یہ دنیا ہی چھوڑ کر چلی گئی...جب کہ مجھ پر یہ شرط ختم ہوئے ایک مدت گزر چکی تھی...'' اور ایک گہری سانس لے کر انہوں نے سر جھکا لیا اور افسوس سے گردن ہلانے لگے۔''کیسی شرط ماموں جی؟'' اسے اب ماموں کی شکل مانوس سی لگنے لگی اور اپنی مرحومہ ماں کا عکس نظر آنے لگا...اس طرح ہونٹوں کو لٹکا کر باتیں کرنا۔ماں کی طرح ان کی پیشانی پر بھی بھویں سمٹ کر ہلکا سا گڑھا بنا دیتیں۔آواز میں بھی وہی کپکپاہٹ اور لرزش۔ماں کی کمی نے ماموں کی شکل میں محبت کا ایک چشمہ سا جاری کر دیا اور اس کی پیاسی روح سیراب ہوتی محسوس ہونے لگی جذبات سے سینے میں سانس کی شونکار تیز ہو گئی اور آنکھیں میں نمی ابھر آئی۔۔۔ابھی ماں کو گزرے دو ماہ بھی تو نہیں ہوئے تھے گھر کی تنہائی کا وہ عادی بھی نہ ہو پایا تھا۔دفتر سے آ کر بے خیالی میں وہ کچن کی طرف منہ کر کے اپنے مخصوص انداز میں لمبی تان سے پکارتا۔

''اما۔۔۔ا۔۔۔ا۔۔۔ں'' اور پھر جواب نہ پا کر پل بھر میں احساس کا تھپڑ اس کے منہ پر لگتا۔۔۔۔اور وہ ایک آہ بھر کر حسرت بھری نگاہ خالی کچن کی طرف ڈال کر تھکے قدموں سے برآمدے میں بچھی چارپائی پر بیٹھ جاتا۔۔۔۔ اسے لگتا جیسے سارا گھر اٹھ رہا ہو اور صحن کمرے برآمدہ سمٹ کر ایک خوفناک ڈراؤنی شکل میں تبدیل ہو کر بڑا سا منہ کھولے اسے نگلنے کے لئے بڑھ رہا

ہو۔۔۔اس نے ماموں کو دیکھ کر سینے میں طویل سی سانس بھری اور آہستگی کے ساتھ ناک کے نتھنوں سے چھوڑی تو اسے ایک سکون سا ملا۔۔۔۔

''ظفر بیٹے یہ بھی ایک المیہ تھا۔۔۔۔ ہمارے والدین میں ہمیشہ اختلاف رہا ہر وقت لڑائی مار کٹائی رہتی۔۔۔۔ان کی آپس میں بنتی بھی نہ تھی اور تین بچے بھی پیدا ہو گئے۔تمہاری ماں بڑی تھی باپ جب ماں کو مارتا تو بڑی بہن ہمیں کھینچتی ہوئی بڑے کمرے کے اندر بنی ہوئی کوٹھری میں لے جاتی جہاں ایک لکڑی کی بڑی سی پیٹی جس میں لحاف رضائیاں وغیرہ رکھی ہوتیں اس کے پیچھے بٹھا دیتی باپ اپنے مردانہ زور پر جوتی لکڑی یا جو کچھ ہاتھ میں آتا اٹھائے گالیاں دیتا ماں کے پیچھے مارنے بھاگ رہا ہوتا اور ماں روتی چیختی بد دعائیں دیتی سارے گھر میں چھپتی پھرتی۔۔۔مگر ہم تینوں روز روز کے اس عمل سے عادی وہیں بیٹھے بیٹھے سو جاتے۔۔۔۔ اور پھر ایک دن نجانے کیا ہوا بہت سے ہمارے رشتہ دار اور محلے کے لوگ گھر میں اکٹھے ہوئے اور بہت دیر تک سب آپس میں لڑتے اور اونچی اونچی باتیں کرتے رہے اور پھر شام کو اماں نے اپنا سامان باندھا مجھے سینے سے لگا کر بھینچ کر پیار کیا اور خوب روئی اور دونوں بہنوں کو لے کر اپنے باپ اور بھائی کے ساتھ کہیں چلی گئی اور میں باپ کے ساتھ اکیلا رہ گیا۔۔۔۔دوسرے دن میں نے ماں کے متعلق جو پوچھا تو باپ نے میرے کندھے پر دونوں ہاتھ رکھ کر دانت پیستے ہوئے کہا کہ۔آج کے بعد اگر تم نے ماں اور بہنوں کی اس گھر میں بات کی تو میں تمہیں چھری سے ذبح کر کے چھت پر ڈال دوں گا جہاں کوئے اور چیلیں کھا جائیں گی۔اور پھر جب تک وہ زندہ رہا ساری عمر میں نے ان کا نام نہ لیا۔۔۔جوان ہوا تو ماں کو ڈھونڈنے نکلا تو پتہ چلا کہ ضلع سرگودھا کے کسی گاؤں میں اس کی کسی بوڑھے کے ساتھ شادی کرا دی گئی تھی اور دونوں بیٹیوں کی شادی کروا کر ایک سال قبل وہ انتقال کر گئی ہے پھر کئی سال لگ گئے تب جا کر تیری ماں اور خالہ کا سراغ لگا۔مگر افسوس کہ ملاقات نہ نصیب ہوئی میں تو ان کی شکلوں کو بھی بھول گیا۔۔۔''ظفر کے لئے یہ ساری باتیں نئی تھیں کہ اس کی ماں نے کبھی اپنے بھائی کا ذکر نہیں کیا تھا سوائے اس کے کہ وہ بچپن ہی میں کہیں بچھڑ گیا تھا البتہ بہن کو یاد کر کے روتی تھی مگر ظفر نے اپنی خالہ کو کہیں بچپن میں دیکھا اور پھر ماں کے مرنے کے بعد۔۔۔۔

ماموں کے آنے سے گھر کی تنہائی بھی دور ہو گئی اور ماموں نے باقی تمام ذمہ داریاں سنبھال لیں۔بقول ماموں انہوں نے مجرد زندگی ہی گزاری تھی اور باپ کے مرنے کے بعد سفر میں ہی رہے۔باپ کی چھوڑی ہوئی اتنی جائیداد تھی جو بیچ کر ان کی عمر آرام سے گزر جاتی اور وہ یہی کرتے رہے۔۔۔تھوڑے ہی دنوں میں ماموں نے اپنی بہن کی جگہ لے لی ظفر شام گھر آتا تو ماموں نے مزید ار کھانا تیار کیا ہوتا اور گھر کی صفائی خرید وفروخت غرضیکہ تمام کام ماموں نے اس طرح سنبھال لئے جیسے وہ شروع سے اسی گھر میں رہتے آئے ہوں۔۔''ظفر بیٹے تجھ سے ایک بات کرنی تھی''۔کھانے سے فارغ ہو کر ماموں نے کہا۔''جی فرمایئے''۔ظفر اچھے موڈ تھا۔

''مجھے ایک اڑتے پرندے نے کان میں یہ بتایا تھا کہ تم اس محلے کی ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی کو چاہتے ہو۔۔۔اور۔۔۔'' ماموں کی بات کاٹ کر ظفر نے ہنس کر کہا۔''اور یہ کہ اس کا ظالم باپ اس کی شادی اپنے کسی رشتہ دار سے کرنا چاہتا ہے کیونکہ وہ تنگ نظر اپنے خاندان سے باہر لڑکی کی شادی کے سخت خلاف ہے۔۔۔لہٰذا ہم نے صبر کی مضبوط رسی سے اپنے آپ کو باندھ دیا ہے۔۔۔''''اور اگر وہی رسی کھول کر اس سے اس ظالم باپ کو باندھ دیا جائے تو کیا تم تیار ہو کہ اس پیاری سی لڑکی کو سرخ جوڑا پہنا کر اس آنگن میں لے آؤ۔۔'' ماموں نے بھی اسی لہجہ میں کہا۔''ارے واہ ماموں! ایسا ہو جائے تو اور کیا چاہیئے مجھے بھی ساتھ لے جانا میں اس رسی کو دو تین مزید گرہیں لگا دوں گا۔۔''اور دونوں ماموں بھانجے نے زوردار قہقہہ لگایا۔۔ظفر اس بات کو مذاق سمجھ کر بھول چکا تھا کہ چند دنوں بعد ماموں نے یہ خوشخبری دی کہ لڑکی کے ماں باپ مان گئے ہیں اور شام کو ان کے ہاں کھانے کی دعوت ہے تا کہ شادی کی تاریخ طے کی جائے۔۔۔ظفر کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ ماموں کے پاس کون سا جادو ہے جس سے وہ شخص مان گیا جو اس کی صورت بھی دیکھنے کو روادار نہ تھا۔۔''بس یار بیٹے! تم تیاری کرو۔۔۔اس کی کیا مجال کہ وہ میری بات کو ٹالتا۔۔'' ماموں نے پیار سے ظفر کے گال تھپتھپا کر کہا۔شادی سے دو دن پہلے ماموں اپنی چھوٹی بہن کو لانے کے لئے تیار ہوا تو ظفر نے خدشہ ظاہر کیا۔''ماموں سنا ہے اس کا خاوند بہت بخیل اور ضدی ہے اور اسے کہیں نہیں جانے دیتا آپ وہاں جا کر پریشان ہوں گے''۔ماموں کے چہرے پر پراسرار سی سنجیدگی طاری تھی کہ یکدم مسکرائے۔''میں جاؤں گا تو وہ خبیث کبھی انکار نہیں کرے گا بلکہ خود اسے کہے گا کہ بھائی کی شادی پر ضرور جاؤ۔۔۔وہ آئی تو اسے پوچھ لینا!''۔

اور دوسرے دن وہ اس کی چھوٹی بہن اور بچوں کو لے کر آ گئے وہ خود حیران تھی کہ ماموں کے آتے ہی خاوند اس طرح بدل گیا جیسے کبھی ایسا تھا ہی نہیں ڈھیر ساری رقم دے کر کہا کہ جتنے دن رہنا رہ لینا اور بھائی کی خوشیوں میں شریک ہونا۔''ظفر ماموں کو دیکھ کر مسکرایا۔۔۔آنکھوں میں تشکر کے آنسو جھلک رہے تھے۔ماموں نے شادی کا انتظام ایسے منظم طریقہ سے کیا کہ ہر کوئی عش عش کر اٹھا کھانے پینے سے لے کر برات۔مہمانوں کی دیکھ بھال اور کپڑے زیور تک

ہر کام انہوں نے سنبھالے رکھا اور کسی طرف بھی کوئی ڈھیل چوک نہ ہونے دی کبھی ادھر دوڑ رہے ہیں تو کبھی اُدھر بھاگے جا رہے ہیں تین دن مہندی سے ولیمہ تک شادی کا ہر فنکشن پوری خوبی کے ساتھ اختتام کو پہنچا۔۔۔۔وہی اداس اور خالی خالی گھر بارونق اور بھرا بھرا نظر آتا تو ظفر کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا ۔۔۔ ماں کی بڑی سے تصویر کمرے کی دیوار پر لگی مسکرا رہی تھی اور ظفر گیلی آنکھوں سے اسے دیکھ کر من ہی من میں اس سے باتیں کر رہا تھا۔''اماں! جو کام تمہارے کرنے والے تھے وہ تمہارے بھائی نے آ کر پورے کر دیئے۔۔۔۔'' ولیمے کی دوسری صبح ماموں اپنا چھوٹا سا بیگ تیار کئے بیٹھے ظفر کا انتظار کر رہے تھے۔''یہ کیا۔۔۔۔آپ کہاں تیار بیٹھے ہوئے ہیں۔''''میرا فرض پورا ہو گیا اب میرے جانے کا وقت آ گیا۔۔۔بیٹے! تیری ماں کا قرض تھا مجھ پر۔۔۔بھائی ہونے کے ناطے میں نے اس کے لئے کچھ نہ کیا تھا اور وہ یونہی رخصت ہو گئی۔۔۔اب میں اس کے سامنے جا کر شرمندہ تو نہ ہوں گا۔۔۔'' ماموں نے ظفر کو اپنی باہوں میں لے کر کہا۔''مگر ماموں آپ اکیلے ہیں کہاں جائیں گے ہم تو یہ سمجھ کے خوش تھے کہ آپ ہمارے پاس۔۔۔''

''نہ بیٹے...مجھے نہ روکنا...تمہیں علم نہیں میں کس طرح یہاں تمہارے پاس پہنچا ہوں...اچھا خدا حافظ۔۔۔''ظفر کی بیوی ماموں کو حیرانی سے دیکھتی رہی ظفر آنکھوں میں آنسو لئے ماموں کو الوداع کرنے ساتھ چلا تو ماموں نے دروازے تک ہی روک دیا...چند روز بعد شادی پر لی گئیں تصویریں اور وڈیو فلم بھی آ گئی اور دونوں میاں بیوی نے فوٹو نکال کر دیکھیں...ظفر کی بیوی نے حیران اور شکایت بھرے لہجے میں ظفر سے پوچھا۔''اتنی ڈھیر سی فوٹو اتاری گئیں اور کسی میں بھی مامون جان نہیں ہیں۔''''کیسے ہو سکتا ہے ایک بار پھر دیکھو''۔اسے یاد آیا اس نے دو تین بار ماموں جان کو زبردستی پکڑ کر اپنے ساتھ کھڑا کر کے فوٹو اتروائی تھی یہ سوچ کر کہ وہ بھاگ دوڑ میں مصروف ہیں اور رہ نہ جائیں۔بیوی نے دوبارہ غور سے دیکھا مگر ان کی کوئی تصویر نہ تھی۔ظفر کو یاد آ گیا کہ ایک فوٹو اس نے ماموں اور اپنے سسر کے ساتھ بھی کھنچوائی تھی...مگر اس تصویر میں وہ خود تھا ایک طرف سسر صاحب کھڑے تھے اور درمیان میں...جگہ خالی تھی...اس نے حیران ہو کر بیوی کو دیکھا۔''ہاں جان! ماموں بے چارے انتظامات میں اتنے مصروف رہے...کہ فوٹو بنوانے کا خیال ہی نہ رہا۔۔۔مجھے نہیں امید کہ وہ وڈیو فلم میں بھی آئے ہوں گے...''...اور نظر اٹھا کر دیوار پر لگی ماں کی مسکراتی ہوئی تصویر کو دیکھا...ماں کی آنکھوں میں معصوم سی شرارت تھی!!۔۔۔اور وہ بھی سر ہلا کر مسکرا پڑا۔۔!!!!

قرآن جواہرات کی تھیلی ہے

عطاء القادر طاہر

سورۃ الکوثر میں عددی معجزے نے ہی مجھے حیران کر رکھا ہے۔

سورۃ الکوثر قرآن کی سب سے چھوٹی سورت ہے اور اس سورۃ کے جملہ الفاظ 10 ہیں۔قرآن بذات خود ایک معجزہ ہے لیکن جب سورۃ الکوثر کی پہلی آیت میں 10 حروف ہیں۔سورۃ الکوثر کی دوسری آیت میں 10 حروف ہیں۔سورۃ الکوثر کی تیسری آیت میں 10 حروف ہیں۔اس پوری سورت میں جو سب سے زیادہ تکرار سے حرف آیا ہے وہ...حرف''ا'' الف ہے جو 10 دفعہ آیا ہے۔وہ حروف جو اس سورت میں صرف ایک ایک دفعہ آئے ہیں انکی تعداد 10 ہیں۔اس سورت کی تمام آیات کا اختتام حرف راء پر ہوا ہے جو کہ حروفِ ہجا میں 10 واں حرف شمار ہوتا ہے۔قرآن مجید کی وہ سورتیں جو حرف ''ر'' راء پر اختتام پذیر ہو رہی ہیں، انکی تعداد 10 ہے جن میں سورۃ الکوثر سب سے آخری سورت ہے۔سورت میں جو 10 کا عدد ہے اسکی حقیقت یہ ہے کہ وہ ذوالحجہ کے مہینے کا 10 واں دن ہے جیسے کہ اللہ تعالی نے فرمایا فصل لربك وانحر پس نماز پڑھو اور قربانی کرو، وہ دراصل قربانی کا دن ہے اللہ کی شان کہ یہ سب کچھ قرآن کریم کی سب سے چھوٹی سورت، جو ایک سطر پر مشتمل ہے، میں آ گیا آپکا کیا خیال ہے بڑی سورتوں کے متعلق!!اللہ تعالی نے اسی لئے فرمایا ہم نے اپنے بندے پر جو کچھ نازل کیا ہے اگر تمہیں اس میں شک ہو تو اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو حوضِ کوثر سے ایسا مبارک پانی پلائے جسکے بعد ہمیں کبھی پیاس نہ لگے۔آمین۔

ناقابل یقین انفارمیشن

قرآن حکیم کا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی باطل بات داخل نہیں ہو سکتی اس لئے کہ قرآن حکیم کا ایک ایک حرف اتنی زبردست کیلکولیشن اور اتنے حساب و کتاب کے ساتھ اپنی جگہ پر فٹ ہے کہ اسے تھوڑا سا اِدھر اُدھر کرنے سے وہ ساری کیلکولیشن درہم برہم ہو جاتی ہے جس کے ساتھ قرآنِ پاک کی اعجازی شان نمایاں ہے۔اتنی بڑی کتاب میں اتنی باریک کیلکولیشن کا کوئی رائٹر تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔بریکٹس میں دیئے گئے یہ الفاظ بطور نمونہ ہیں ورنہ قرآن کا ہر لفظ جتنی مرتبہ استعمال ہوا ہے وہ تعداد اور اس کا پورا بیک گراؤنڈ اپنی جگہ

خودعلم وعرفان کاایک وسیع جہان ہے۔دُنیا کالفظ اگر 115 مرتبہ استعمال ہوا ہےتو اس کے مقابل آخرت کا لفظ بھی 115 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔وعلیٰ ھٰذِہِ القِیاس۔(دُنیا وآخرت:115)(شیاطین وملائکہ:88)(موت وحیات:145)(نفع وفساد:50)(اجروفصل108)(کفروایمان:25)(شہر:12) کیونکہ شہر کا مطلب مہینہ اور سال میں 12 مہینے ہی ہوتے ہیں (اور یوم کالفظ360 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔اتنی بڑی کتاب میں اس عددی مناسبت کا خیال رکھنا کسی بھی انسانی مصنّف کے بس کی بات نہیں،مگر بات یہیں ختم نہیں ہوتی...جدیدترین ریسرچ کے مطابق قرآن حکیم کے حفاظتی نظام میں 19 کے عدد کا بڑا عمل دخل ہے۔اس حیران کن دریافت کا سہرا ایک مصری ڈاکٹر راشد خلیفہ کے سر ہے جو امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں کیمسٹری کے پروفیسر تھے۔

1988ء میں انہوں نے مکمل قرآنِ پاک کمپیوٹر پر چڑھانے کے بعد قرآنِ پاک کی آیات ان کے الفاظ وحروف میں کوئی تعلق تلاش کرنا شروع کردیا رفتہ رفتہ اور لوگ بھی اس ریسرچ میں شامل ہوتے گئے حتیٰ کہ 1972ء میں یہ ایک باقاعدہ اسکول بن گیا۔ریسرچ کا کام جونہی آگے بڑھا اُن لوگوں پر قدم قدم پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے،قرآنِ حکیم کے الفاظ و حروف میں انہیں ایک ایسی حسابی ترتیب نظر آئی جس کے مکمل اِدراک کیلئے اُس وقت تک کے بنے ہوئے کمپیوٹر ناکافی تھے۔کلام اللہ میں 19 کا ہندسہ صرف سورہ مدثر میں آیا ہے جہاں اللہ نے فرمایا دوزخ پر ہم نے اُنیس محافظ فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے اس میں کیا حکمت ہے یہ تو رب ہی جانے لیکن اتنا اندازہ ضرور ہوجاتا ہے کہ 19 کے عدد کا تعلق اللہ کے کسی حفاظتی انتظام سے ہے پھر ہر سورۃ کے آغاز میں قرآنِ مجید کی پہلی آیت بسم اللہ کو رکھا گیا ہے گویا کہ اس کا تعلق بھی قرآن کی حفاظت سے ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں بسم اللہ کے کُل حروف بھی 19 ہی ہیں،پھر یہ دیکھ کر مزید حیرت میں اِضافہ ہوتا ہے کہ بسم اللہ میں ترتیب کے ساتھ چار الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور ان کے بارے میں ریسرچ کی تو ثابت ہوا کہ اِسم پورے قرآن میں 19 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔لفظ الرَّحمٰن 57 مرتبہ استعمال ہوا ہے جو 19×3 کا حاصل ہے اور لفظ الرَّحِیم 114 مرتبہ استعمال ہوا ہے جو 19×6 کا حاصل ہے اور لفظ اللہ پورے قرآن میں 2699 مرتبہ استعمال ہوا ہے 19×142 کا حاصل ہے،لیکن یہاں بقیہ ایک رہتا ہے جس کا صاف مطلب ہے کہ اللہ کی ذات پاک کسی حساب کے تابع نہیں ہے وہ یکتا ہے۔قرآن مجید کی سورتوں کی تعداد بھی 114 ہے جو 19×6 کا حاصل ہے۔سورہ توبہ کیآغاز میں بسم اللہ نازل نہیں ہوئی لیکن سورہ نمل آیت نمبر 30 میں مکمل بسم اللہ نازل کرکے 19 کے فارمولا کی تصدیق کردی اگر ایسا نہ ہوتا تو حسابی قاعدہ فیل ہوجاتا۔اب آیئے حضور علیہ السّلام پر اُترنے والی پہلی وحی کی طرف:یہ سورہ علق کی پہلی 5 آیات ہیں:اور یہیں سے 19 کے اِس حسابی فارمولے کا آغاز ہوتا ہے!ان 5 آیات کے کل الفاظ 19 ہیں اوران 19 الفاظ کے کل حروف 76 ہیں جوٹھیک 19×4 کا حاصل ہیں لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی جب سورہ علق کے کل حروف کی گنتی کیگئی تو عقل تو ورطہ حیرت میں ڈوب گئی کہ اسکے کُل حروف 304 ہیں جو 19×4×4 کا حاصل ہیں اور سامعین کرام!عقل یہ دیکھ کر حیرت کی اتھاہ گہرائیوں میں مزید ڈوب جاتی ہے کہ قرآنِ پاک کی موجودہ ترتیب کے مُطابق سورہ علق قرآن پاک کی 96 نمبر سورۃ ہے اب اگر قرآن کی آخری سورۃ اَلنّاس کی طرف سے گنتی کریں تو اخیر کی طرف سے سورہ علق کا نمبر 19 بنتا ہے اور اگر قرآن کی اِبتدا سے دیکھیں تو اس 96 نمبر سورۃ سے پہلے 95 سورتیں ہیں جوٹھیک 19×5 کا حاصلِ ضرب ہیں جس سے یہ بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ سورتوں کے آگے پیچھے کی ترتیب بھی انسانی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حِسابی نظام کا ہی ایک حِصّہ ہے۔

قرآنِ پاک کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورۃ سورہ نصر ہے یہ سن کر آپ پر پھر ایک مرتبہ خوشگوار حیرت طاری ہوگی کہ اللہ پاک نے یہاں بھی 19 کا نِظام برقرار رکھا ہے،پہلی وحی کی طرح آخری وحی سورہ نصر ٹھیک 19 الفاظ پر مشتمل ہے یوں کلام اللہ کی پہلی اور آخری سورت ایک ہی حِسابی قاعدہ سے نازل ہوئیں۔سورہ فاتحہ کے بعد قرآن حکیم کی پہلی سورۃ سورہ بقرہ کی کُل آیات 286 ہیں اور 2 ہٹادیں تو مکّی سُورتوں کی تعداد سامنے آتی ہے 6 ہٹادیں تو مدنی سورتوں کی تعداد سامنے آتی ہے۔86 کو 28 کے ساتھ جمع کریں تو کُل سورتوں کی تعداد 114 سامنے آتی ہے۔آج جب کہ عقل وخرد کو سائنسی ترقی پر بڑا ناز ہے یہی قرآن پھر اپنا چیلنج دہراتا ہے۔

حسابدان،سائنسدان،ہر خاص وعام مومن کافر سبھی سوچنے پر مجبور ہیں

کہ آج بھی کسی کتاب میں ایسا حسابی نظام ڈالنا انسانی بساط سے باہر ہے طاقتور کمپیوٹرز کی مدد سے بھی اس جیسے حسابی نظام کے مطابق ہر طرح کی غلطیوں سے پاک کسی کتاب کی تشکیل ناممکن ہوگی۔لیکن چودہ سو سال پہلے تو اس کا تصوّر ہی محال ہے لہٰذا کوئی بھی صحیح العقل آدمی اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ قرآنِ کریم کا حسابی نظام اللہ کا ایسا شاہکار معجزہ ہے جس کا جواب قیامت تک کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔اور قرآن میں اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ پوچھ لو گِنتی کرنے والوں سے القرآن کی روز تِلاوت کیا کریں اللہ ہم سب کو قران پاک پڑھنے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے دِلوں میں ایمان کو سلامت رکھے اور اللہ کے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

***

شوگر کے مریضوں کیلئے احتیاطی تدابیر

شہزادہ قمرالدین
مبشر، گلاسگو

مندرجہ ذیل احتیاطی تدابیر کرنی چاہئیں۔

☆ صبح کی سیر اور مناسب ورزش کریں۔

☆ کم کھانے کی عادت ڈالیں۔

☆ موٹاپے پر کنٹرول (چینی، گھی کا استعمال بند کردیں)

☆ سال میں ایک بار آنکھوں کا معائنہ کرائیں۔

☆ بلڈ پریشر کو باقاعدگی سے چیک کروائیں۔

☆ سال میں ایک بار مائیکروالبیو مین یوریا ٹیسٹ کروائیں۔

پیروں کو چوٹ لگنے سے بچائیں۔

☆ پیروں کو کسی قسم کے انفکشن سے بچائیں۔

☆ طرزِ زندگی میں تبدیلی پیدا کریں۔

☆ قوت ارادی پیدا کریں۔

☆ خوش رہنے کی کوشش کریں۔

☆ غذا پر کنٹرول

1۔ صبح کا ناشتہ ایک کپ چائے بغیر چینی کے، آدھا انڈا آملیٹ، ایک عدد سلائس۔

2۔ قبل دوپہر دودھ کا کپ بغیر بلائی۔

3۔ دوپہر کا کھانا آدھی پلیٹ سبزی، دال، چھوٹی چپاتی، سلاد چھوٹی پلیٹ، چھوٹا سیب آدھا۔

4۔ شام کے وقت ایک چائے بغیر چینی کے۔

5۔ رات کا کھانا آدھی پلیٹ دال ایک چھوٹی چپاتی ایک سیب چھوٹا چھلکے کے ساتھ۔

تجربات سے پتا چلا ہے کہ بسیار خوری اور ورزش کا فقدان اس مرض کی وجوہات ہیں اور اسے کنٹرول کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

اس کا یوں تدارک کیا جاسکتا ہے کہ روزانہ صبح خالی پیٹ آدھ گھنٹہ سیر کرلی جائے۔البتہ سخت ورزش ہرگز نہ کریں۔

ذیابیطس کے مریض کو اپنے پاؤں کی خاص طور پر حفاظت کرنی چاہیے ۔ پاؤں کی کھردری جلد انگلیوں یا جلد میں گھسے ناخنوں کو ازخود کاٹنے کی کوشش نہ کریں بلکہ اس سلسلے میں کسی ماہر ڈاکٹر سے رجوع کریں۔ذیابیطس کے مریض کو سگریٹ نوشی سے مکمل پرہیز لازم ہے۔

آ گہی کے جگنو

مبشرہ ناز

احمر آج پھر چائے پیئے بغیر چلے گئے۔جانے مجھے کیا ہوگیا تھا ہزار کوشش کے باوجود ہر کام اُلٹا ہوتا اور سنورنے کی بجائے بگڑ جاتا۔کل دوپٹہ جلا بیٹھی، احمر کی سفید شرٹ پر سیاہ رنگ چڑھ گیا۔اور صبح چائے اُبل گئی۔ایک لمحے کو ہی دھیان پلٹا تھا۔مجھے خود پر غصہ آرہا تھا کیوں دھیان نہیں رہتا دودھ اور پتی ضائع، چولہا الگ گندہ ہوا، اچھا بھلا کام بڑھ گیا تھا اب چولہا صاف کرو مجھ پر کوفت طاری تھی۔ اچانک ہر کام سے دل اُچاٹ ہونے لگا۔''چلو کوئی بات نہیں میں آفس میں چائے پی لوں گا''احمر کہتے ہوئے چلے گئے مگر اُن کے چہرے پر چھائی افسردگی میری نظر سے پوشیدہ کیسے رہتی۔۔۔! مجھ سے اپنے دھیان کی یہ باغیانہ روش ہرگز برداشت نہیں ہوتی تھی۔آئندہ ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔ میں دھیان کو کوستی بے اختیار رونے لگی۔۔۔! کچھ ہی دن کے بعد احمر کے ساتھ اُن کے ماموں زاد رضا بھائی کی طرف جانے کا اتفاق ہوا جو حال ہی میں لندن سے پاکستان موو ہوئے تھے۔گھر کے اندر داخل ہوتے ہی عجیب سے سکون کا احساس ہوا۔ درو دیوار نے تھپکا کسی بڑے بوڑھے نے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی ہو جیسے، صدا سہاگن رہو۔۔۔! کچھ عجیب سا احساس تھا ماحول میں دعائیں گندھی ہوں جیسے۔ڈھلتی اداس شام گھر کے اندر صبح کی طرح روشن تھی۔ سادہ سی سجاوٹ میں کسی صوفیانہ کلام کی آمیزش دکھتی تھی۔رضا بھائی اور احمر کو بیٹھک میں بٹھانے کے بعد اُن کی وائف آصفہ باجی مجھے اپنے ساتھ کچن میں لے گئیں۔آؤ ہم چائے بناتے ہیں۔۔۔!اس روشن صبح جیسی شام کی چائے میرے مقدر کے ہاتھ پر سہاگن کی مہندی جیسا رنگ لائی لال سوہا۔۔۔! آصفہ باجی نے بسم اللہ پڑھتے ہوئے چائے کی دیگچی چولہے پر چڑھائی، بسم اللہ پڑھتے ہوئے ساتھ ہی دوسرے چولہے پر رکھی کڑاہی میں آئل ڈالا، آئل گرم ہونے کے ایک دو منٹ کے دوران وہ ٹرے میں چائے کے برتن سیٹ کرنے لگیں اور پھر بسم اللہ پڑھتے ہوئے گرم گرم آئل میں سموسے فرائی کرنے کے لیئے ڈال دیئے۔کڑاھی میں سموسے تلنے کے دوران انہوں ہر اُلٹ پلٹ کے ساتھ بسم اللہ پڑھی، ہر کپ ٹرے میں بسم اللہ پڑھنے کے ساتھ رکھا، اوون میں رکھے رول اور نگٹ چیک کرنے کے لیئے جتنی بار اوون کھلا اللہ کے نام کے ساتھ ہی کھلا۔۔۔! میں بہت غور سے انہیں کام کرتے دیکھ رہی تھی۔اُن کے ہونٹ عقیدت سے بسم اللہ پڑھتے گویا حرفوں کو ایک ایک کر کے چومتے آنکھوں سے لگاتے، دل میں اس کے پاک نام کا ورد کرتے ہر بار، بار بار اُس کے نام سے شروع کرتے جو مہربان

اور نہایت رحم والا ہے۔ نہ کچن میں کوئی کام بگڑا نہ ہی چائے اُبلی تھوڑے سے وقت میں سب کام احسن طریق پر ہو گئے۔''بسم اللہ پڑھ پُتر ہر کام اللہ کے پاک نام کے ساتھ شروع کرتے ہیں۔چل میرا پُتر شاباش''۔بڑے ابا جی کی پگڑی کی سرسراہٹ سنائی دی یوں لگا وہ یہیں کہیں آس پاس ہی تھے میرے سرہانے کے نیچے رکھی بچپن کی ایک سنہری یاد نے سسکی بھری بڑے ابا جی کے چلے جانے کے بعد میں اُن کے دیئے سبق جانے کب اور کیسے بھولنے لگی تھی بھلکڑ اندھیری رات میں جیسے آگہی کے جگنو اُڑنے لگے۔آنکھوں میں آئی نمی کو چُھپاتے ہوئے میں نے اس لمحے کو اپنے باغی دھیان کے پلو میں بسم اللہ پڑھتے ہوئے کس کر باندھ لیا۔۔۔!میں اُس اداس شام سے روشن صبحیں چرا لائی تھی۔اگلے دن میں نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوئے ہوئے چائے کا پانی چولہے پر رکھا۔شروع اللہ کے پاک نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔میرے بگڑے کام سنورنے لگے تھے''سفید کپڑے چٹے سفید رہنے لگے تھے''الائچی والی بسم اللہ گُھلی وہ چائے میری زندگی کی سب سے لذیذ چائے تھی۔کاغذ کی ناؤ سی زندگی اس کے نام کے ساتھ پار لگنے لگی تھی۔۔۔!

******

Concept 2Print

DIGITAL LITHO

A Complete Design & Print Service

CONCEPT • DESIGN • PRINT • FINISH

- Business Cards
- Folders
- Booklets
- Books
- Wedding Cards
- Letterheads
- NCR Pads
- Calendars
- Flyers
- Greeting Cards
- Compliment Slips
- Brochures
- Posters
- Pull up Banners
- Invitation Cards

Tel: 0203 603 7582

e:info@concept2print.co.uk

106 High Street-Colliers Wood-London-SW19 2BT

WWW.concept2print.co.uk

H@T IT SERVICES

Hardware • Application • Technology

HAT IT Services is becoming an IT Solution provider in innovative Hardware and Software Solutions that enable businesses to transform into digital enterprises for the ultimate competitive advantage.

- Laptop Repairs
- Computer Repairs
- Virus / Malware Removal
- Data Recovery
- System Optimization
- Home / Office Networking
- Server Installation
- Infrastructure & Networking
- Web & Application Development
- Sales & Purchase
- CCTV Installation & Maintenance

T: 0203 524 7530

www.hatservices.com

106 High Street, Colliers Wood SW19 2BT

K.P Groups ensures that you get the best possible service

*- Free Valuations

*- Property Acquisitions

*-Property Management

*- Rent Guarantee Scheme 1-5 Years

K.P. Group (Krishna Director)

101 Bensham Lane, Thorton Heath CR77 EU

www.kpgroups.co.uk,

EmailL:krishna@kpgroups.co.uk

Tel No. 02081276230,Mob. 07895560006

NLA NATIONAL LANDLORDS ASSOCIATION NLA Tenant Check my deposits PRS Property Redress Scheme ico. CMP

K.P Group is a trading name of UK. property Consultancy Services Limited is a company registered in England & Wales under company Registration Number 6302235

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

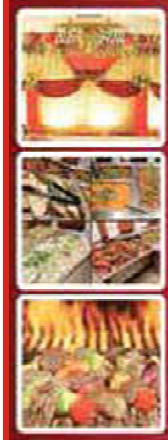

SAAMS FUNCTION HALL
Catering & Event Management

Services Available
- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking
We Take reservations Everyday

Catering to your requirments
Cell:07883 815195

Under New Management
Newly Refurbished function Hall

TRANSLATIONS
ENGLISH - URDU

ATA TAHIR
DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE
Interpreting Urdu-English Law

07818210181
atatahir@hotmail.com

SHARIF
JEWELLERS
SINCE 1952

Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery
Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
+44 (20) 3609 4712
+44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
+92 (47) 6212515
+92 (0) 307 465 7777

HEATING LTD.
24/7
EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial
Contact: 07722 222 965
www.247breakdownsolution.co.uk

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دابراڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- یورپین قانون
- اوور سٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائبیونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹونٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)